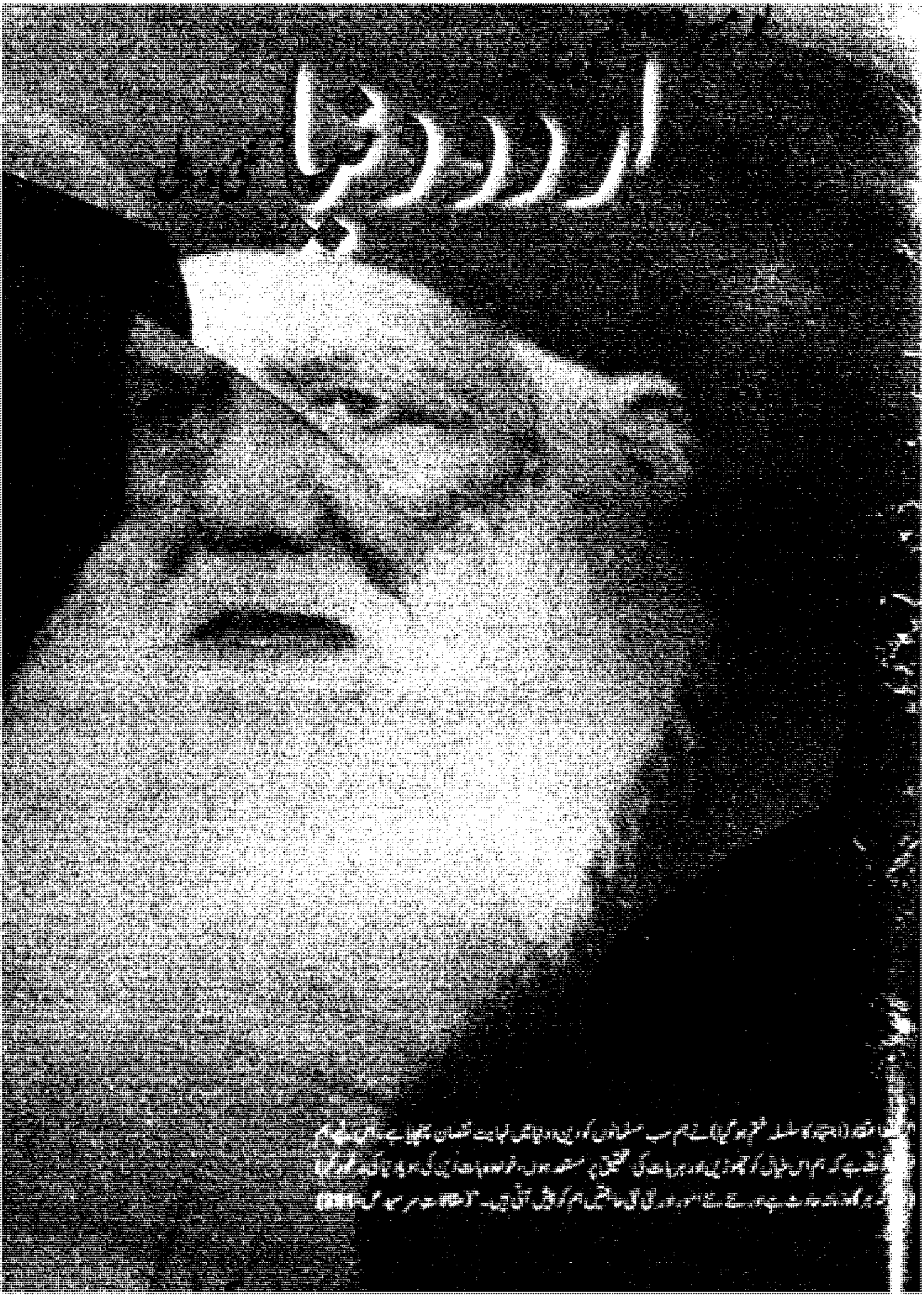
اردو دنیا

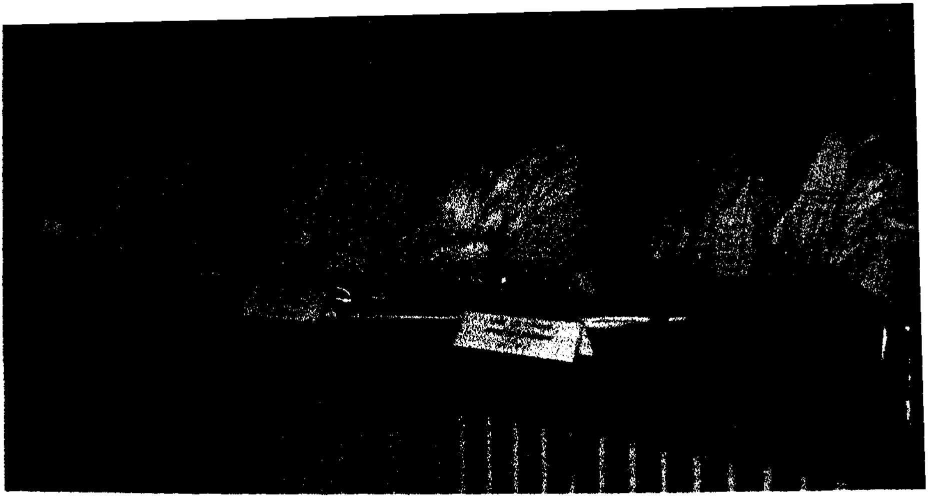

16 / اکتوبر 2002 کو قومی اردو کونسل کے ساتویں سالانہ اجلاس کے موقعے پر (دائیں سے) جناب احمد سعید ملیح آبادی،
پروفیسر گوپی چند نارنگ، جناب گلزار اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ۔

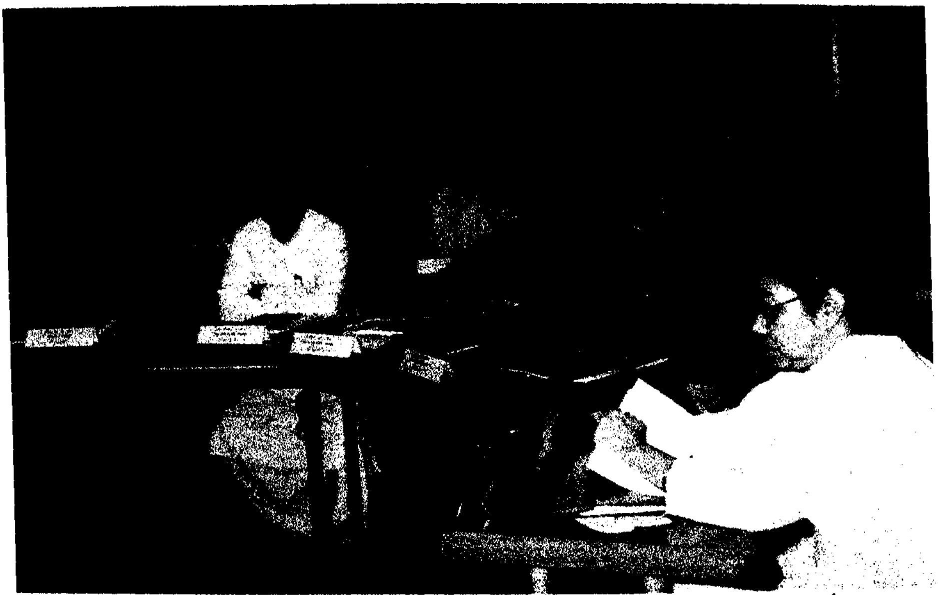

اسی موقعے پر (دائیں سے) پروفیسر قمر جہاں (صدر شعبۂ اردو بنارس ہندو یونی ورسٹی)، ڈاکٹر ہریش کمار (چیئرمین سی ایس ٹی ٹی)، ڈاکٹر پشپ لتا تنیجا (ڈائرکٹر سینٹرل ہندی ڈائرکٹوریٹ)،
پروفیسر نتیانند پانڈے (ڈائرکٹر کیندریہ ہندی سنستھان، نئی دہلی)، ڈاکٹر یو این سنگھ (ڈائرکٹر سی آئی آئی ایل، میسور)، دوسری قطار میں دائیں سے جناب احمد سجاد، رانچی
پروفیسر سید جعفر رضا، الہ آباد (سب سے پیچھے دائیں سے دوسرے) ڈاکٹر نریندر سنگھ (او ایس ڈی، ڈیپارٹمنٹ آف لیگل افیئرس)۔

ماہ نامہ

اردو دُنیا

نئی دہلی

جلد-4، شمارہ-11: نومبر 2002

قیمت -/10 روپے سالانہ -/100 روپے

مدیر: ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ

معاون مدیر: ارجمند آرا

ناشر اور طابع:
ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان
وزارت ترقیِ انسانی وسائل محکمۂ تعلیم۔ حکومت ہند

صدر دفتر:
ویسٹ بلاک-1، ونگ-6
آر۔کے۔پورم، نئی دہلی- 110 066
فون: 6103381, 6103938
فیکس: 6179657, 6108159
ویب سائٹ
http://www.urducouncil.com
email: urducoun@ndf.vsnl.net.in

کمپوزنگ: قومی اُردو کونسل

مطبع: جے کے آفسیٹ پرنٹرس، جامع مسجد دہلی-110006

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اُردو کونسل

شعبۂ فروخت:
ویسٹ بلاک-8، ونگ-7،
آر۔کے۔پورم، نئی دہلی-110066
فون: 6109746

شاخ: 5-4-4/435/20، گرین ہاؤس،
اسٹیشن روڈ، نام پلی، حیدر آباد 500 001 (A.P.)
فون: 4615139

اس شمارے میں

آپ کی بات .... خطوط 2

ہماری بات .... اداریہ 7

ہندستانی مسلمان کدھر؟ (گیسٹ کالم) .... رفیق زکریا 9

● سرسید اور اجتہاد .... ظفرالاسلام اصلاحی 17

● عربی و فارسی بورڈ اتر پردیش کا جدید نصاب .... غلام یحییٰ انجم 19

● عورتوں کے تئیں سماجی رویے — جرائم کے خصوصی حوالے سے .... ارجمند آرا 21

● بڑھتی آبادی اور ماحولیاتی تبدیلیاں .... رپورٹ 26

گوشۂ ادب

● بہادر شاہ ظفر کی شاعری کا ایک پہلو .... شکیل الرحمن 30

گوشۂ فروغ کتب

● جان کمپنی سے جمہوریہ تک جدید ہندستان کی کہانی (اقتباس) .... مشیر الحسن 32

● چلو میں اُلو (فسانۂ آزاد سے اقتباس) .... رتن ناتھ سرشار 36

طلبہ کے لیے

● کمپنی سکریٹری کے طور پر بنائیں کیریئر .... اے۔ این۔ شبلی 38

● مائکروسافٹ ورڈ .... عظیم صدیقی 40

● کوئز (قدیم عہد میں عورت) .... شبنم آرا 43

قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں (جولائی تا ستمبر 2002) .... ادارہ 47

اُردو خبر نامہ .... ادارہ 53

تبصرہ و تعارف .... کتابوں پر تبصرے 73

● معاشیات / رضیہ نظامی .... مبصر: معین الدین خاں

● البیرونی کے جغرافیائی نظریات / ڈاکٹر حسن عسکری کاظمی .... مبصر: ملک راشد فیصل

● پریم چند کی آپ بیتی / مدن گوپال .... مبصر: جیالا ساز

● نصاب تعلیم (برائے درجات عالیہ) / ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم .... مبصر: تابش مہدی

● پروین رائے اور دوسرے منظوم ڈرامے / رفعت سروش .... مبصر: حسن مثنیٰ

● سوغات / بشیشر پردیپ .... مبصر: مشرف علی

● آئین جموں و کشمیر

● نعتِ رسول خدا / ڈاکٹر محمد علی اثر

بچوں کا گوشہ

● چندا ماما دور کے ("چلو چاند پر چلیں" سے اقتباس) 78

آپ کی بات

■ جناب آئی. کے. گجرال، سابق وزیر اعظم ہند، 5، جن پتھ نئی دہلی-110011

(کونسل کے نائب چیئر مین پروفیسر گوپی چند نارنگ کے نام)

My dear Gopi Chand Jee,

Thanks very much for sending me a copy of your book "Hindustani Qisson Se Makhooz Urdu Masnaviyan" which I will peruse with interest.

With kind regards,

■ ابوالکلام قاسمی، سرسبز، بدرباغ، جیل روڈ، علی گڑھ-202002

ہندستانی قصوں پر مبنی مثنویوں پر آپ کی کتاب بلاشبہ ایک غیر معمولی کام ہے۔ ہندستانی ثقافت کی شناخت جتنی گہرائی سے آپ نے کی ہے، اس وقت کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ تہنیت اور مبارکباد قبول فرمائیں۔

■ فاروق احمد، ڈی. آئی. جی پولیس، کشمیر رینج، بٹہ مالو، سرینگر-190001

اردو زبان کے فروغ کے لیے قومی کونسل قابلِ تعریف کام کر رہی ہے۔ جس کے لیے آپ اور آپ کے ساتھی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

■ ابوالفیض سحر، 67، جی پاکٹ-4، میور وہار، فیس-1، دہلی-91

جولائی 2002 کے "اردو دنیا" میں "دہلی میں اردو میڈیم تعلیم ... قومی اردو کونسل کا سروے" دیکھا۔ بے حد خوشی ہوئی کہ قومی اردو کونسل نے تو پہل کی۔ اردو دانوں کے لیے اور اردو کے اداروں کے لیے سب سے اہم اور بنیادی کام، اردو تعلیم کو فروغ دینا ہے۔ ہر سطح پر اردو تعلیم کا نظم، اردو کی بقا، فروغ اور ترقی کی اساس ہے۔ اپنے اپنے دائرۂ عمل میں ہر ممکن طریقے سے اردو کی تعلیم اور اس سے متعلقہ معاملات و مسائل پر ترجیحی طور پر توجہ کریں اور کارگر انداز میں کام کریں تاکہ گزشتہ پچاس برسوں کی بے توجہی کے نقصان کی کچھ تلافی ہو۔ اس اہم کام کے لیے سنجیدگی، ذمے داری، دردمندی اور بصیرت کی ضرورت ہے۔ قومی اردو کونسل نے اس کام کی کلیدی اہمیت اور افادیت کے پیشِ نظر اس کا بیڑا اٹھایا۔ جس کا عملی ثبوت یہ سروے ہے۔

یہ تو ابتدا ہے، امید ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ جیسے Dynamic ڈائرکٹر اس مسئلے پر ہر ممکن طریقے سے توجہ کریں گے اور دوسروں سے بھی ضروری کام کروائیں گے۔ اس کا مجھے یقین ہے کیوں کہ انھیں خود بھی تعلیم اور تعلیمی انتظامات سے خصوصی دلچسپی ہے۔

1917 میں عثمانیہ یونی ورسٹی کا قیام، اردو ذریعہ تعلیم سے، اس بات کا بیّن ثبوت تھا کہ اردو پرائمری سطح سے ثانوی درجات تک اور ثانوی سے اعلیٰ تعلیم تک کے لیے لسانی اہلیت اور نصابی ضروریات کے تقاضوں پر پوری اترتی ہے۔ تبھی تو اتنی بڑی یونی ورسٹی ہندستانی زبانوں میں سب سے پہلے اردو ذریعہ تعلیم کے ساتھ قائم کی جا سکی، جہاں اعلیٰ سطح تک، میڈیکل اور انجینئرنگ کی تعلیم بھی کامیابی سے اردو میں ہوتی تھی اور یہ سلسلہ 1948 تک جاری رہا اور اب مولانا آزاد اردو یونی ورسٹی انھی خطوط پر کام کر رہی ہے۔

ویسے بھی آندھرا پردیش میں اردو ذریعہ تعلیم کے انتظامات بڑے پیمانے پر موجود ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق حیدر آباد اور اس کے آس پاس لگ بھگ پانچ لاکھ طلبہ، اردو ذریعہ تعلیم سے بی اے، بی کام، بی ایس سی وغیرہ ڈگری کورسوں میں زیر تعلیم ہیں۔ اس سے آندھرا پردیش میں اردو میڈیم کے پرائمری، مڈل اور ہائر سیکنڈری اسکولوں، طلبہ اور اساتذہ کی تعداد کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کرناٹک، مہاراشٹر میں بھی صورت حال امید افزا ہے۔ یہ بات بھی سرکاری ریکارڈ پر ہے کہ گجرات اور مہاراشٹر میں اردو میڈیم کے غریب طلبہ، ریاست بھر میں دوسری زبانوں کے میڈیم کے اسکولوں کے طلبہ کے مقابلے میں اچھے نمبروں سے کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ ان علاقوں میں اردو ذریعہ تعلیم، دہلی یا یوپی جیسی مشکلات و مسائل سے دوچار نہیں۔ وہاں ان مسائل پر نہ کانفرنس ہوتی ہے، نہ سمینار، نہ ورک شاپ، نہ استادوں کی ٹریننگ کے سوالات کھڑے ہوتے ہیں نہ نصابی کتابوں کا کہرام، نہ اصطلاحوں کی دشواریاں اور پریشانیاں۔ میں خود حیدر آباد کے ایک دور دراز علاقے میں پہلی جماعت سے دسویں جماعت تک اردو میڈیم کا طالب علم رہا ہوں۔ سائنس، ریاضی، الجبرا، جیومیٹری، تاریخ، جغرافیہ سارے مضامین پڑھے اور اچھی طرح پڑھے۔ نہ مجھے، نہ میرے ساتھیوں کو، نہ میرے استادوں کو کتابوں یا اصطلاحوں یا کسی دوسری چیز کی دشواری ہوئی اور نہ آج ہی وہاں کسی کو کوئی دشواری ہے۔ یہ سارے مسائل دہلی اور یوپی ہی میں درپیش کیوں ہیں؟ اس کا بھی ایماندارانہ جائزہ لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کچھ حقیقی دشواریاں بھی ہوں، مگر سب سے بڑی دشواری اور مجبوری یہ محسوس ہوتی ہے کہ زیادہ تر مسائل یہاں اردو تعلیم سے وابستہ لوگوں ہی کے غیر مخلصانہ رویے کے پیدا کردہ ہیں۔ یہاں کے اساتذہ بھی، اپنے منصبی شعور سے عاری ہیں۔ یہاں کے اسکولوں کے ذمے داروں اور عام اردو دانوں کی اردو زبان سے عدم دلچسپی بہت سے مسائل کو جنم دیتی ہے۔ ذاتی اغراض اور

نجی مفادات سے اوپر اٹھ کر ہی اس زبان کے لیے ہم کچھ کر سکتے ہیں، جو ہمارا قیمتی تہذیبی ورثہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

اکثر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ تعلیمی کانفرنسوں میں لاعلمی سے یا مصلحتاً، ایسے لوگوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے جن کا اردو تعلیمی تحریک سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا، ان کے قیمتی ارشادات پہلے سے موجود پیچیدگیوں میں مزید اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ کسی مرض کے صحیح علاج کے لیے اس کی صحیح تشخیص نہایت ضروری ہے۔ اردو اور اردو ذریعہ تعلیم کو درپیش معاملات و مسائل کا حل بھی تبھی نکل سکتا ہے جب ہم ان اسباب و علل کو صحیح طور پر سمجھ کر عملی قدم اٹھائیں، جن کی وجہ سے یہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔

اردو کے تمام اداروں خصوصاً ریاستی اردو اکادمیوں کو ہر بڑے اور اہم ضلعے میں کم از کم ایک "اردو ماڈل اسکول" اپنے طور پر اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مقامی رضاکار تنظیموں کی مالی مدد کر کے قائم کرنا چاہیے اور ہو سکے تو آندھرا پردیش اردو اکادمی کی طرح، ریاست کے مختلف مقامات پر اردو کے اقامتی اسکول (Urdu Residencial School) قائم کرنے کے لیے حکومت کو آمادہ کریں۔ چودہ سال کی عمر تک لڑکوں اور لڑکیوں کی مفت تعلیم، آئینی تحفظات کے مطابق سرکار کی ذمے داری ہے ہی، اردو میڈیم کے ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ (Urdu Medium Technical Institutes) بھی قائم کرنے ضروری ہیں۔ قومی اردو کونسل کے مذکورہ سروے سے پہلے دہلی میں اردو تعلیم کے حوالے سے پریشانیوں کا اظہار بہت ہوتا تھا، مسائل کا ذکر ہوتا تھا مگر حقیقی صورتِ حال کا ایسا کوئی خاکہ سامنے نہیں تھا جس پر بات کی جاسکے۔ اس سروے میں زمینی حقائق کی جھلکیاں ہیں مگر موجودہ حالات کے اسباب اور وجوہ کی تلاش و جستجو کے کوئی واضح نشانات نہیں ملتے۔ مگر یہ سروے مزید غور و فکر اور عملی اقدامات کی اساس بن سکتا ہے۔ اور یہ کام صوبائی اردو اکادمیاں اپنے طور پر انجام دے سکتی ہیں۔ سروے رپورٹوں کی اشاعت ضروری کی جائے اور ضرورت ہو تو اس کام کے لیے قومی اردو کونسل سے مالی مدد بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ ریکارڈ رہے گا جو صحیح اور مستند تقابلی مطالعے کا ذریعہ بنے گا اور آئندہ کے پروگرام کی بنیاد بھی۔

■ کاوش بدری، پوسٹ بکس نمبر-42، 26/14، دستگیر اسٹریٹ،
نور اللہ پیٹ، آمبور-635802

"اردو دنیا" شمارہ ستمبر 2002 ملا، یہ ماہنامہ ہر حیثیت سے اسم بامسمّٰی بن گیا ہے۔ اردو زبان و ادب کے قدیم و جدید توانا عناصر کے علاوہ، ہندستان کے سائنسی، تاریخی، تمدنی، ثقافتی اور جدید ٹیکنالوجی کے ارتقا اور ہر ریاست کی تعلیمی، جغرافیائی، علمی و ادبی رفتار پر مستند رپورٹوں کو نمایاں طور پر شائع کر کے آپ نے ساری دنیا کے سامنے ہندستان کے سر کو بلند کر دیا ہے۔ دیگر رسائل میں افسانوں، غزلوں اور نظموں کی بہتات سے قاری کو صرف ذوق کی تسکین کے سامان ہی میسر ہیں مگر وسیع تر انسانی زندگی میں عملی زندگی گزارنے، روزی روٹی حاصل کرنے کے ذرائع اور وسائل کہاں نصیب ہیں؟ قومی کونسل صرف برائے فروغِ اردو زبان ہی نہیں بلکہ یہ نصابی ادارہ برائے فروغِ زبانِ عربی و فارسی بھی ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں ہر انسان کی شمولیت کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اب کی بار "اردو دنیا" کے مشمولات ظاہری اور باطنی توانائیوں کا نچوڑ بھی ہیں۔

مشاعروں کی تہذیبی اہمیت پر جناب حسن کمال صاحب کا مضمون بہت دلچسپ ہے۔ مشاعروں کے سلسلے میں معروف ادیب و شاعر حضرت مخمور سعیدی صاحب نے سہ ماہی اثبات و نفی (کلکتہ) میں شائع شدہ اپنے انٹرویو میں بڑی خاص باتیں کہی ہیں اور اظہار تاسف کیا ہے کہ جس طرح فی زمانہ مشاعروں نے نئی کروٹ لی ہے یہ نہ مشاعروں کے لیے بہتر ہے اور نہ شاعری کے لیے۔ آج کے مشاعرے محض رتجگے کا سامان بن کر رہ گئے ہیں۔ مخمور سعیدی نے بیرونی ممالک کے مشاعروں پر روشنی ڈالتے ہوئے درست فرمایا ہے کہ "برطانیہ کی ہر اردو کی محفل میں یہاں تک کہ تعزیتی جلسے میں بھی مشاعرے کا انتظام ضرور کرنا پڑتا ہے ورنہ ان جلسوں کی کارروائی "خالی کرسیوں" کو ہی سننی پڑتی ہے۔" رسائل میں مشاہیر شعرا کا کلام شائع ہوتا ہے مگر مکتوبات کے کالم میں ان کے کلام کی داد دینے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ مقتدر رسائل کے لیے شاعری کرنے والے دانشور شعرا کو گھاٹے کا سودا کرنا پڑتا ہے مگر مشاعرے میں ڈرامے باز شعرا اور شاعرات کی فیس پندرہ ہزار یا بیس ہزار سے کم نہیں ہوتی اور ان کو اتنی داد ملتی ہے کہ مشاعرے کی چھت اڑ جاتی ہے۔ اب ہمیں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ رسائل کے قاری معتبر ہیں یا مشاعروں کے سامعین؟ سچ پوچھیے تو مشاعرے میں جس شاعر کو داد نہیں ملتی بس وہی دانشور شاعر ہے اور کامیاب ہے۔

پروفیسر نثار احمد فاروقی کا پُر مغز تحقیقی مقالہ "تصوف: خدا پرستی اور انسان دوستی کا سنگم" بھی ایک شاہکار سے کم نہیں۔ حضرت علی میاں کی رحلت کے بعد ان کا خلا پروفیسر نثار احمد فاروقی جیسے جید عالم، عربی، فارسی اور اردو کے عظیم محقق و نقاد سے پُر ہو گیا ہے۔ علم کو عمل میں دکھانے کا نام ہی تصوف ہے۔ نجات، عمل پر موقوف ہے نسب پر نہیں۔ حضرت بابا نظام الدین اولیاء، محبوب الٰہی نے زمین پر نہیں دلوں پر حکومت کی۔ ان کے ملفوظات نوائے سروش کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دمِ واپسیں غالب نے وصیت کی تھی کہ ان کی تدفین سلطان العاشقین حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی

کی درگاہ کے پائیں ہو، حضرت امیر خسرو جیسے عظیم صوفی شاعر و سنگیت گیانی اور ہندستان کے عظیم شاعر مرزا غالب دونوں کو احاطہ درگاہ حضرت محبوب الٰہی میں مدفون ہونے کا شرف حاصل ہے۔

■ پروفیسر سید صفی اللہ، 36، پورم پرکاسم روڈ، بالاجی نگر، چینئی-600014

اردو دنیا کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا۔ "تبلیغ نہیں تعلیم کی ضرورت ہے" آپ نے یہ مضمون یقیناً نیک نیتی سے چھاپا ہوگا لیکن مصنف کے اندر مجھے وہ نیک نیتی نظر نہیں آئی۔ اساتذہ میں پھیلی ہوئی (نام نہاد) بددلی کی وجہ بتاتے ہوئے ان کے اس جملے سے کہ "ملک میں اساتذہ کی اچھی خاصی تعداد سول سروس کے ٹھکرائے ہوئے افراد پر مشتمل ہے۔" کیا نوکر شاہی کی بو نہیں آتی؟ جھا صاحب کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ سول سروس کے ٹھکرائے ہوئے سارے افراد اساتذہ ہی نہیں ہو جاتے بلکہ ہزاروں لوگ دوسری ملازمتوں میں بھی کھپتے ہیں۔ کیا وہاں بھی ان کی یہی کیفیت ہوتی ہے؟ یا اگر وہاں بھی ایسا ہی ہوتا ہے (اور یقیناً ایسا ہی ہونا چاہیے) تو پھر صرف اساتذہ کی طرف انگلی اٹھانے کا کیا مطلب ہے؟

نوکر شاہی کو یہ بات کیوں کھل رہی ہے کہ اساتذہ کا کام دو ہی تین گھنٹوں کا ہوتا ہے۔ کام کے معیار کو جانچنے کا اگر یہی پیمانہ قرار دیا جائے تو پھر ایک بیوروکریٹ کے متعلق کیا کہیں گے جس کا کام سرکاری موٹر کار سے دفتر پہنچنا، اے سی کمرے میں شان سے بیٹھنا، نیچے سے آتے ہوئے کاغذات کو پڑھ کر کہیں کہیں سرخ یا سبز سیاہی سے خط کھینچنا یا ان پر دستخط کر کے پرے ڈھکیل دینا اور شام کو اسی کار سے گھر لوٹ جانا ہوتا ہے۔

غلط آدمی کا تقرر کہاں اور کس شعبے میں نہیں ہوتا؟ کیا دوسرے شعبوں میں تقرر کا عمل اس سے مختلف (یا کہ شفاف) ہوتا ہے جو جھا صاحب کے کہنے کے مطابق دہلی یونی ورسٹی میں ہوتا ہے؟ کیا جھا صاحب کا تقرر بھی کالج میں اسی طرح کے شفاف طریقۂ کار سے ہوا تھا؟ اور بتایئے کیا نااہلیت نوکر شاہی میں نہیں ہوتی؟ ایک جی او (G.O.) نکلتا ہے تو ہزار کھانچے موجود۔ انھیں دور کرنے کے لیے پھر جی او پر جی او نکالے جا رہے ہیں!

"نصاب میں تبدیلی" لانے والی بات بھی بدہضمی پیدا کرنے والی ہی ہے۔ تاریخ، جغرافیہ، معاشیات، سیاسیات، حساب، سائنسی علوم جیسے اسباق میں (میں اعلیٰ تعلیم کی بات کر رہا ہوں) نصاب بدلا نہیں جاتا، Update کیا جاتا ہے اور Updated حصوں کو بیس سال پرانے نوٹس میں داخل کرنا کوئی جوئے شیر لانے کا کام نہیں ہے کہ اساتذہ حضرات اس کے تصور ہی سے بھاگنے لگیں۔ تبدیلیوں کو اتنی اہمیت دینے والے جھا صاحب پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر کیوں نہیں دیکھ لیتے۔ آخر یہ بیوروکریٹس ہیں کیا؟ وہی انگریزوں کے زمانے میں بنا ہوا گھسا پٹا ریکارڈ۔ ان کے پاس دماغ نہیں ہوتے رُولس (rules) ہوتے ہیں، دل نہیں ہوتے، Procedures ہوتے ہیں، وہ انسان نہیں روبوٹ (Robot) ہوتے ہیں۔ وہی گھسے پٹے برسوں پرانے رولس جن کے وہ غلام ہوتے ہیں۔ رولس میں تبدیلی کے جی او نکلتے بھی ہیں تو ایسا وہیں ہوتا ہے جہاں ان کا یا ان سے بھی اوپر کے "خداؤں" کا اپنا مطلب ہوتا ہے۔ خود کو اتنا اونچا سمجھتے ہیں کہ ہوائی جہاز کے ایکزیکیٹو کلاس سے کم میں سفر کرنا سبکی کی بات سمجھتے ہیں اور اپنے استاد بچارے کو سیکنڈ اے سی کے ریل کے سفر سے اوپر لکشمن ریکھا کھینچ دیتے ہیں۔ خود اپنے پروفیسروں کے لیے اپنے برابر کے Payscales ان سے برداشت نہیں ہوتے مگر توقع رکھتے ہیں کہ وہ فرشتے بن کر دکھائیں۔

بات صرف اصلاح کی ہے تو اصلاح کا ہر شعبہ محتاج ہے، چاہے وہ بیوروکریسی ہو یا اساتذہ کا طبقہ، نقص دونوں جگہوں پر ہے۔ نوکر شاہی میں ظاہر نہیں ہوتا، تعلیمی اداروں میں کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ جھا صاحب نے جتنی برائیاں تعلیمی اداروں میں بتائی ہیں، ان سے کہیں زیادہ انتظامیوں کے شعبوں میں ہیں، گنتی کرنے کے لیے ایک عمر چاہیے! اور چھاپنے کے لیے اردو دنیا کا خاص نمبر۔

■ ڈاکٹر حکیم حافظ ایس حبیب الرحمٰن، دہلی دواخانہ، 97/128، طلاق محل، کانپور-208001

میری آپ کے مؤقر جریدے کے معرفت جملہ محبانِ اردو سے گزارش ہے کہ وہ اپنے اپنے اضلاع میں اساتذۂ اردو بشمول اسکول و کالج نیز یونی ورسٹی کو لے کر وہاں کے شعرا و ادبا، مصنفین و مترجمین، اہلِ علم و ادب، نیز اردو تحریک سے وابستہ حضرات کے ساتھ ماہ میں اگر صرف ایک بار جمع ہو جایا کریں تو اردو زبان و ادب کے مسائل بہت حد تک حل ہو سکتے ہیں۔ اس اجتماع کے موقعے پر عمومی دلچسپی کا کوئی سامان مثلاً کسی ماہ شامِ افسانہ تو کبھی شعری نشست، تو کبھی اردو کی کسی صنف میں مذاکرہ۔ کبھی تنقیدی و تحقیقی مسائل پر سیر حاصل تبصرے کے ساتھ مقامی طور پر درپیش مسائل کے حل کے لیے باہمی مشورہ اور اتفاق رائے سے طریقۂ کار کا تعین کریں۔ عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ ہمارے ادبا و شعرا شعری نشست یا مشاعرے کے نام پر تو جمع ہو جاتے ہیں لیکن تحریکی کام میں پیچھے ہٹ جاتے ہیں یا سرد مہری اختیار کر لیتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اردو تعلیم و تدریس کے مسائل ان حضرات کے تعاون کے بغیر کبھی حل نہیں ہو سکتے ہیں۔

■ حقانی القاسمی، ڈائرکٹر اکلیل میموریل لائبریری، یتیم خانہ کمپلیکس ارریہ-854311

شہر ارریہ، ذہنی اور فکری لحاظ سے کافی زرخیز ہے مگر معاشرتی لحاظ

سے انتہائی پسماندہ ہے۔ یہ مسلم اکثریتی ضلع ہے جو پہلے پورنیہ ضلع کا ایک حصہ تھا، اسے اردو آبادی کے اعتبار سے بہار میں اوّلیت حاصل ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی سے نکلنے والے ماہنامہ ''اردو دنیا'' کی ایک سروے رپورٹ کے مطابق ارریہ کی کل اردو آبادی 81 فی صد ہے۔

اس علاقے میں اردو کو فروغ دینے کے کافی امکانات ہیں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ ارباب اردو اس ضلعے کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ ارریہ میں اردو اخبارات و رسائل بہت کم پہنچ پاتے ہیں اور پھر یہاں کے اردو والوں کی قوت خرید بھی کم ہے۔ یہاں کے بچے انتہائی ذہین اور ہوش مند ہیں۔ ان کے اندر حصول علم کا جذبہ بھی ہے اور آرزو بھی، مگر معاشی ابتری ان کی امنگوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

یہاں کے لوگوں کے ادبی ذوق و شوق اور بچوں کے حصول علم کے جذبے کو دیکھتے ہوئے میں نے ایک لائبریری تشکیل دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ محض ایک لائبریری نہیں بلکہ ایک تعلیمی رفاہی تحریک ہوگی۔ جس کے تحت فلاحی رفاہی کام ہوتے رہیں گے۔ الخلیل میموریل لائبریری سال کے اواخر میں ایک کتابچہ بھی شائع کرے گی جس میں موصولہ کتابوں کا توضیحی اشاریہ بھی ہوگا اور تعاون کرنے والوں کے نام و پتے بھی شائع کیے جائیں گے۔

■ انوار انصاری، سابق سینئر آڈٹ آفیسر، اولڈ ہزاری باغ روڈ،
اپوزٹ چونا بھٹہ، رانچی - 834001 جھارکھنڈ

''اردو دنیا'' ستمبر 2002 کا شمارہ نہایت آب و تاب کے ساتھ وقت پر رانچی کے ایک اسٹال پر دستیاب ہوگیا۔ اس شمارے میں کئی اہم ادبی مضامین شامل ہیں جیسے نثار احمد فاروقی کا مضمون ''تصوف: خدا پرستی اور انسان دوستی کا سنگم''، ''دو شہیدوں کی کہانی'' از راجندر یادو اور منور حسن کمال کا مضمون ''مشاعروں کی تہذیبی اہمیت'' ایسے مضامین کے مطالعے سے ذہن کی آبیاری ہوتی ہے اور علم میں اضافہ ہوتا ہے۔

ادارے کی جانب سے ترتیب دیا گیا ''کتابوں کی موبائل وین آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں'' بے حد عمدہ ہے۔ آپ کی موبائیل وین نئی ریاست جھارکھنڈ میں اپنا جلوہ دکھائے گی؟ یہاں بھی رانچی، جمشید پور، ہزاری باغ بوکارو، دمکا، دھنباد اور چائباسہ وغیرہ شہروں میں اردو کے بہتیرے شائقین موجود ہیں۔ موبائل وین کی کتابوں کو ہاتھوں ہاتھ خریدیں گے۔ برائے مہربانی جھارکھنڈ میں موبائیل وین روانہ کرنے کا پروگرام ترتیب دیں۔

بچوں کا گوشہ بے حد اچھا ہے۔ اس میں دو تین صفحوں کا اضافہ کیجیے۔ عبدالودود انصاری کی تخلیق ''تتلی رانی'' پسند آئی۔ ماحولیاتی توازن کے سلسلے میں مدیر کی رائے سے متفق ہوں کہ ہر ملک و قوم کی ذمے داری ہے کہ تمام عالم انسانیت کو بچانے کے لیے تدارک کی اقدامات کیے جائیں۔

■ رضوان خاں، سکریٹری بزم اردو، سیتاپور

''اردو دنیا'' بابت ستمبر 2002 اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ نثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون ''تصوف: خدا پرستی اور انسان دوستی کا سنگم'' بہت اچھا لگا۔ اداریہ اور دیگر مضامین بھی عمدہ ہیں۔ رپورٹ۔ ''کتابوں کی موبائل وین آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں'' جامعیت لیے ہوئے نہیں ہے۔ یہاں میں مؤدبانہ طور پر عرض کردوں کہ ہمارے یہاں صرف سیتاپور شہر میں تقریباً 15 ہزار سے زائد روپیوں کی کتابیں بہت ہی قلیل وقت میں فروخت ہوئی تھیں اور سیل انچارج وی صدیق صاحب نے خود کہا تھا کہ بغیر کسی اشتہار کے اتنے کم وقت میں ایک مخصوص جگہ پر اتنی اچھی فروخت توقع سے کہیں زیادہ ہے۔ وی صدیق صاحب نے یہاں کے لوگوں کی وین کے تئیں دلچسپی کو سراہا تھا۔ اہم بات یہ ہے کہ اردو کی ترویج و اشاعت ہو۔ میں نے یہ بات اس لیے عرض کی کہ چھوٹے شہروں میں ہونے والی خدمتِ اردو بھی اگر سراہی جائے تو یہاں کے لوگوں کو مزید حوصلہ ملے۔

یہ رپورٹ ادارے کی تحریر کردہ نہیں تھی۔ مختلف شہروں کے اخبارات نے جو رپورٹیں دی تھیں، انھیں اس میں یکجا کردیا گیا تھا۔ ابتدائی نوٹ میں جو ادارے کی طرف سے ہے، آپ کے شہر کا نام موجود ہے۔ (ادارہ)

■ صدر شعبۂ اردو، ایل این متھلا یونی ورسٹی، دربھنگا

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان آپ کے انتظامیہ میں بڑی فعال ہوگئی ہے۔ ''اردو دنیا'' کی بھی گونج دور دراز علاقوں میں سنی جاسکتی ہے۔ آپ نے کمپیوٹر سینٹرز کھول کر اردو دانوں کی روزی روٹی کا مسئلہ حل کرنے کی فکر کی ہے۔ اس کے نتائج بھی اچھے نکل رہے ہیں۔ خدا کرے آپ اسی حوصلہ مندی سے کام کرتے رہیں۔ ابتدائی اور ثانوی سطح پر اردو کی تعلیم سے ہم بہت مایوس ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی اردو کے مستقبل سے کم از کم ہندستان میں مایوسی ہوتی ہے لیکن ''اردو دنیا'' کے اداریے کے آخری پیراگراف سے بڑی امید بندھی ہے۔
میرے شعبے کی لائبریری میں کونسل کی کتابیں ہر سال خرید ہوتی ہیں۔

■ حافظ ساجد اقبال، انسٹرکٹر، کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر،
مرکز ادب و سائنس، بریاتو ہاؤسنگ کالونی، رانچی-9

ماہنامہ ''اردو دنیا'' اردو آبادی اور کونسل کے زیر اہتمام چلائے جارہے کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹرز کے طلبہ اور طالبات کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔ میں بھی ''اردو دنیا'' کا ایک مستقل قاری ہوں جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ''اردو دنیا'' اردو ادب اور سائنس کے ساتھ ہی کمپیوٹر

ٹیکنالوجی اور اردو زبان کی ترویج و ترقی کے گوشوں سے بھرپور رہتا ہے۔ خصوصاً اس پرچے میں اردو دنیا کی ملکی اور بیرونِ ملک کی خبریں پڑھ کر ایک عجیب سی خوشی کا احساس ہوتا ہے۔

■ **راشد جمال ندوی، 17/182، عالی نگر، مئوناتھ بھنجن۔ 275101**

ماہنامہ "اردو دنیا" اگست 2002 کے شمارے میں کیریر گائیڈنس کے کالم میں جناب سلمان عابد صاحب کا مضمون بعنوان "مدارس کے طلبہ کے لیے عصری تعلیم کے مواقع" نظر سے گزرا۔ مضمون بہت وقیع ہے۔ مدارس کے طلبہ کو اپنے کیریئر کے سلسلے میں اس سے کافی رہنمائی ملے گی۔ اگر آپ "اردو دنیا" میں وقتاً فوقتاً اس طرح کے مضامین شائع کرتے رہا کریں تو یہ مدارس کے طلبہ کے حق میں بہت مفید ہوگا۔

■ **جاوید احمد، نوشہرہ، سرینگر، کشمیر**

ماہنامہ "اردو دنیا" کا جولائی کا شمارہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مضمون "اردو کا مستقبل اس کی تعلیم سے وابستہ ہے" "اردو ادب اقوال اور کمپیوٹر کالم بہت پسند آئے آپ جو کچھ اردو کے فروغ و ترقی کے لیے کر رہے ہیں وہ قابلِ ستائش ہے۔

■ **احمد حبیب الدین وقار، محمد ٹیچرس ہوم، 84-10، عظیم کالونی، کوہیر۔ 502210**

"اردو دنیا" ستمبر کے سرورق پر ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی کے دستِ مبارک سے کلیاتِ پریم چند کی رسم اجرا بہت خوب۔ "ہماری بات"، "اردو دنیا" کے قارئین کی تیسری آنکھ کھولنے کے مترادف ہے۔ مضامین میں نثار احمد فاروقی صاحب کا مضمون "تصوف، خدا پرستی اور انسان دوستی کا سنگم" بے حد پسند آیا۔ اے آر فتیحی صاحب بڑی ہی عرق ریزی کے ساتھ تمام ریاستوں کے اردو داں طبقے کا تجزیہ پیش کر رہے ہیں جس کے لیے وہ قابلِ مبارک باد ہیں۔

■ **محمد رفیع الدین مجاہد، مدینہ کرانہ شاپ، مظفر نگر، اکولہ۔ 444001، مہاراشٹر**

ستمبر کا "اردو دنیا" پڑھا۔ جناب اے آر فتیحی کا تحقیقی و پرمغز مقالہ "مہاراشٹر میں اردو آبادی" انتہائی مفید اور معلوماتی ہے اور محفوظ کرکے استفادہ کرنے کی پرزور دعوت دے رہا ہے۔ خصوصاً اس لیے بھی کہ اس میں ہمارے شہر اکولہ کے متعلق بھی جانکاری ملی۔ اس لیے ہم اکولہ کے شہریوں اور ادبی احباب کی طرف سے موصوف کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

■ **محمد عمران راعینی، محلہ شیخ سرائے سٹی اسٹیشن روڈ، پرانا سیتاپور، (یوپی)**

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اردو کی فلاح و بہبود کے لیے جد و جہد کر رہی ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔ کونسل اگر کسی طرح اردو کو یوپی کے عام اسکولوں میں بحیثیت سیکنڈ لینگویج مروّج کرانے کی کوشش کرے تو یہ بڑی خدمت ہوگی۔ جب تک نئی نسل اردو کو بحیثیت مادری زبان یا ثانوی زبان نہ پڑھے، اردو کی ترقی صحیح معنوں میں ممکن نہیں۔

■ **محمد راشد شیخ، B-108، الفلاح، ملیر ہالٹ، کراچی ۔75210 (پاکستان)**

میں نے "اردو بک ریویو" میں آپ کے ادارے کا اشتہار پڑھا۔ آپ کے ادارے کی گرانقدر خدمات پر میں آپ کو ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

"اردو دنیا" اور "فکر و تحقیق" کے سالانہ خریدار بنیں

"اردو دنیا" اردو کے حال اور مستقبل کا آئینہ ہے۔۔۔خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے احباب کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دیں سالانہ قیمت سو روپے بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک

National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi

کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:

(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

ماضی کی علمی بازیافت اور حال کی علمی فتوحات سے واقفیت کے لیے **"فکر و تحقیق"** کا مطالعہ کریں۔ سالانہ قیمت 100 روپے

بذریعہ ڈرافٹ، منی آرڈر یا چیک

National Council for Promotion of Urdu Language, New Delhi

کے نام درج ذیل پتے پر روانہ کریں:

(دہلی سے باہر کے لوگ 110 روپے کا چیک بھیجیں)

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066

ہماری بات

گذشتہ سال نیویارک کے ورلڈ ٹریڈ سینٹر پر دہشت گردانہ حملے کے بعد امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف جو جنگ چھیڑی ہے اس کے نتیجے میں مدارس میں اسلامی انتہاپسندی کی تعلیم کو لے کر عالمی پیمانے پر عموماً اور جنوبی اور جنوب مشرقی ایشیا میں ان کی کارکردگی کے حوالے سے خصوصاً بحث و تمحیص کا سلسلہ بہت شدومد سے شروع ہوا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر سیاست داں، دانش ور، ادیب اور صحافی اپنے اپنے پلیٹ فارم سے اظہار رائے کر رہے ہیں۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں اخبارات کے صفحوں پر مدارس کے خلاف یا حمایت میں بیانات شائع نہ ہوتے ہوں، کانفرنسوں اور سیمیناروں کی خبریں نہ چھپتی ہوں یا قارئین کے خطوط نہ ہوتے ہوں۔ انگریزی اور دوسری زبانوں میں اسلام، جہاد، مدارس اور دہشت گردی وغیرہ وغیرہ موضوعات پر کئی کتابیں بھی اس دوران منظر عام پر آئی ہیں جو ہاٹ کیک کی طرح مارکیٹ میں فروخت ہو رہی ہیں۔

مدرسوں کے رول کے حوالے سے ایک اضطراب کی سی کیفیت پورے سماج پر چھائی ہوئی ہے۔ خصوصاً ہندستان جیسے ملک میں، جس کو کئی طرح کے مسائل کا سامنا ہے، مدارس کے رول پر گفتگو خاصے حساس اور نازک مسئلے کے طور پر ہو رہی ہے۔ فرقے وارانہ تناظر میں دیکھنے کے عادی ہم ہندستانیوں کے لیے یہ گفتگو ہندو اور مسلم دونوں کے لیے اضطراب آسا ہے۔ یعنی ایک ہندو اس سوال کو مہذب معاشرے کی بقا کے لیے خطرے کی طرح تو مسلمان اپنے وجود، تشخص اور مذہب کے لیے خطرے کے طور پر دیکھتا ہے اور نتیجے میں غیر معقولیت پسندی اور اندھی جذباتیت کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسے بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو اس سوال سے وابستہ نکات کو معروضی طور پر سمجھنے کی کوشش کریں۔ ان سطور میں چند نکات کی طرف اشارہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

1- مسلم ممالک میں قائم یا مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے ذریعے قائم کردہ مدارس ایک جیسے نہیں ہیں، گو کہ ان کے قیام کا بنیادی مقصد مذہبی تعلیم فراہم کرنا ہے۔

2- سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے (اسلام کے نام پر) قائم درس گاہوں اور مذہبی تعلیم کے روایتی مراکز (مدارس) میں واضح فرق ہے اس لیے ہندستان کے دینی مدارس اور پاکستان یا افغانستان میں قائم بیشتر مدارس کو ایک ہی پیمانے پر پرکھنا غلط ہے۔

3- ہندستان ایک جمہوری ملک ہے جس کے تمام شہریوں کو مذہبی، نسلی یا جنسی تعصب کے بغیر برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ ہر تعلیم یافتہ شخص اس بات کو جانتا اور خوب سمجھتا ہے اور اپنے ملک کے جمہوری ڈھانچے پر اعتماد رکھتا ہے۔ اہلِ مدارس اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اس لیے ہندستان کے کسی مدرسے سے اسلامی حکومت کے قیام کے لیے کوئی انتہاپسندانہ تحریک نہیں چل رہی ہے۔ یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو متعلقہ سرکاری اداروں کی جانب سے ان کے خلاف کارروائی ضرور ہوئی ہوتی۔

4- مذکورہ صورتِ حال میں اگر مدارس کے خلاف بیان دیے جا رہے ہیں یا اشتعال پھیلایا جا رہا ہے تو اس کے اسباب سیاسی ہیں جس کے تدارک کے لیے واحد حکمتِ عملی مشترکہ سماج میں مختلف فرقوں کے درمیان رواداری اور بھائی چارے کو فروغ دینا اور ایک دوسرے کے مذاہب کا احترام کرتے ہوئے تکثیری معاشرت کو قبول کرنا ہے۔

5- اس حوالے سے بہت سی غلط فہمیاں کم علمی یا لاعلمی کے سبب بھی راہ پا گئی ہیں۔ مدارس کو اپنے طرزِ تعلیم اور طرزِ معاشرت میں اتنا کھلا ضرور ہونا چاہیے کہ دوسرے مذہبی فرقوں کے لوگ ان کے موقف سے واقف رہیں۔

6- مسلمانوں کی عمومی پس ماندگی اور مدارس سے وابستہ مسلمانوں کی سماجی، تعلیمی (جدید) اور معاشی پس ماندگی نے ایک طویل عرصے سے ان کی امیج رجعت پرست اور شدت پسند مسلمان کی بنا دی ہے۔ یہ امیج منفی ہے۔ آج کے زمانے میں کسی مذہب سے تعلق رکھنا، اس پر عمل پیرا ہونا معیوب نہیں ہے بلکہ شدت پسندی اور انتہاپسندی کو معیوب تصور کیا جاتا ہے۔ اس بات کو واضح طور پر سمجھتے ہوئے مدارس کو ایسے اقدامات کرنے ہوں گے کہ ان کی منفی امیج ختم ہو سکے۔ اسلام نے مذہبی رواداری، روشن خیالی اور عقلیت پسندی کی تعلیم دی ہے، علم حاصل کرنے کے لیے دور دراز علاقوں تک کا سفر کرنے کی ترغیب دی ہے؛ اسلام کے ان روشن عناصر پر بار بار زور دینے کی ضرورت ہے۔ پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ مذہبی رواداری کی روشن مثال ہے، عملی طور پر اس کی تقلید کرنے کی ضرورت ہے۔

7- مذہبی تعلیمات کی اہمیت آفاقی ہوتی ہے، زمان و مکان کی حدود سے باہر

یہ تعلیمات ہر خطے کے لیے افادی ہوں اور ہم عصر تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں، اس کو سمجھنے کے لیے مدارسِ اسلامیہ کو مسلسل غور و فکر کرنا ہوگا، اسی اعتبار سے اپنے نصابات کو ترتیب دینا ہوگا، اس میں ضروری تبدیلیاں لانی ہوں گی تاکہ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے خواہاں طلبہ زیادہ غور و فکر کے عادی بنیں۔

8- ان طلبہ کی مادّی ضروریات کے پیشِ نظر مدارس کو اس بارے میں بھی غور کرنا چاہیے کہ وہ اپنے طلبہ کو ان جدید علوم کی تعلیم بھی فراہم کریں جن سے روزگار کے حصول میں آسانی ہو۔ جدید تعلیم (خصوصاً روزگار کے پیشِ نظر حاصل کی جانے والی تعلیم) اور مذہبی تعلیم میں کوئی تصادم نہیں ہے۔ اس واضح سوچ کے ساتھ اگر کام کو آگے بڑھایا جائے تو اہلِ مدارس کے سماجی و معاشی حالات بھی بہتر ہوں گے اور سماج کے دیگر فرقوں کے ساتھ میل ملاپ بھی بڑھے گا جس سے بہت سی غلط فہمیوں اور اندیشوں کا ازالہ ہوگا۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ ہندستان کے بہت سے دینی مدارس ان خطوط پر سوچ رہے ہیں اور معاصر زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے کوشاں ہیں۔ اپنے تعلیمی نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے وہ منظم ہو رہے ہیں، مدرسہ بورڈ قائم کر رہے ہیں اور اپنے طلبہ کی مذہبی تعلیم کے علاوہ دوسری ضرورتوں کی جانب توجہ بھی دے رہے ہیں۔ جس شد و مد کے ساتھ مدرسوں کے رول کے حوالے سے گفتگو جاری ہے اتنی ہی شدت سے ان مساعی کی خبریں بھی اخبارات کی زینت بن رہی ہیں جو مدرسوں کے نظام میں بنیادی تبدیلیاں لانے کی سمت میں مدارس ہی کے ذریعے کی جارہی ہیں۔ یہ مساعی اتنی واضح طور پر سماجی منظر نامے پر نظر آنا شروع ہوئی ہیں کہ مختلف جماعتوں اور حکومتوں کے سربراہان نے ان کا نوٹس لینا شروع کر دیا ہے اور اس عمل کو تیز تر کرنے میں اپنے تعاون کا یقین دلایا ہے۔ انھی مساعی کے پیشِ نظر فروغ انسانی وسائل کے مرکزی وزیر ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی کا یہ بیان غور طلب ہے کہ مدرسوں کو دہشت گردی کا اڈہ بتانے والے لوگ اپنے الزام کے حق میں ثبوت پیش کریں۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ آئندہ دنوں میں مذہبی تعلیم کے یہ ادارے ایک مکمل تعلیمی نظام کے طور پر اپنے طلبہ کے خوش آئند مستقبل کی ضمانت بنیں گے۔

□□□

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़—ए उर्दू ज़बान

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of HRD, Dept. of Secondary & Higher Education, Govt. of India
West Block-1, R.K. Puram, New Delhi-110 066.
Ph.: 6109746, 6169416 Fax: 6108159 E-mail: urdueducation@hclinfinet.com

کتابوں کی نمائش و فروخت آپ کے شہر آپ کے گاؤں میں

موبائل وین سے اردو کتابوں کی نمائش و فروخت کے تجربے میں اتر پردیش میں ہمارے اردو قارئین نے جس جوش و خروش سے کتابیں خریدیں اور کتب بینی کی روایت میں نئی روح پھونکی اس نے کونسل کے ولولے دوبالا کیے ہیں۔ بہار کی دور دراز اردو بستیوں میں آپ کے ہاتھوں تک اردو کا سرمایہ پہنچانے کے لیے یہ موبائل وین اب حسبِ ذیل پروگرام کے مطابق آپ کی بستی میں پہنچے گی:

25 تا 27 اکتوبر	گوپال گنج	28 تا 30 اکتوبر	سیوان	31 اکتوبر تا 2 نومبر	چھپرہ
3 تا 5 نومبر	حاجی پور	6 تا 8 نومبر	سستی پور	9 تا 11 نومبر	دربھنگہ
13 تا 15 نومبر	مظفرپور	16 تا 17 نومبر	سیتامڑھی	18 تا 19 نومبر	موتیہاری
20 تا 22 نومبر	بیتیا	23 تا 24 نومبر	گورکھپور		

نوٹ: شناختی [illegible] اساتذہ اور طالب [illegible] کے لیے 40% رعایت

رفیق زکریا

گیسٹ کالم

ہندستانی مسلمان کدھر؟

سب سے پہلے میں آپ کی یونی ورسٹی کے چانسلر اور مسلمانوں کے ہر دل عزیز لیڈر جناب سید حامد، لائق و فائق اور فعال وائس چانسلر جناب سراج حسین اور میرے ہمدمِ دیرینہ اور ممتاز عالم دین جناب اوصاف علی کا شکر گزار ہوں کہ مجھے اس یونی ورسٹی کے بانی مرحوم حکیم عبدالحمید صاحب کی یاد میں یادگاری خطبہ دینے کا موقع فراہم کیا۔ گذشتہ صدی کی آٹھویں دہائی میں جب میں پارلیامنٹ میں تھا، ان سے بے حد قریب تھا۔ میں ان کے حسنِ سلوک کا شاہد ہوں۔ وہ ایک غیر معمولی حساس انسان تھے جو تقسیم ہند کے بعد ہندستانی مسلمانوں کی حالتِ زار سے متعلق ہمیشہ فکر مند رہتے تھے۔ ہم دونوں جب بھی ملے انھوں نے اس مسئلے پر مجھ سے بات کی۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ اس مسئلے کے حل کے لیے کیا کیا جائے۔ مختلف پروجیکٹ خصوصاً تقسیم پر تین جلدیں جنھیں ہمدرد فاؤنڈیشن شائع کر رہی ہے اور دیگر کئی پروجیکٹ جو انھوں نے شروع کیے، وہ مسلمانوں کے تئیں ان کی فکر کے شاہد ہیں۔ یہ یونی ورسٹی ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کی بہترین یادگار ہے۔ وہ اپنی طب کی پریکٹس کے علاوہ جس میں چند حکیم ہی ان سے سبقت لے جاسکتے تھے، زیادہ تر وقت غریبوں اور کمزوروں کی مدد اور اپنی قوم کی بہتری کی کوششوں میں گزارتے تھے۔ میں نے اپنے لیکچر کے لیے جو موضوع چنا ہے، وہ ایک طرح سے ان خیالات کی یاد دہانی ہے جو حکیم صاحب اپنے ہم فرقہ افراد کے مستقبل کے بارے میں ہمیشہ دل کی گہرائیوں سے سوچتے تھے۔ ہندستانی مسلمان کدھر؟ دراصل یہ سوال مسلمانوں کے لیے بھی اتنا ہی توجہ طلب ہے جتنا کہ ہندوؤں کے لیے۔ اس کی علامتیں بہت اچھی نہیں ہیں اور اس لیے اس کا جواب ضروری بھی ہے اور ناقابلِ احتراز بھی۔

بہر طور، میں یہاں ان سوالوں میں نہیں پڑوں گا کہ کس طرح ہندستانی مسلمان شدید زوال کا شکار ہوئے۔ میں نے اس کے متعلق بہت کچھ کہا اور لکھا ہے۔ انھیں کسی بھی صورت میں تقسیم کے مطالبے کی حمایت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ غیر منقسم ہندستان میں ہم ایک متحد اور مضبوط فرقہ تھے اور ہمارے درمیان پورے ملک میں ہر اعتبار سے مضبوط باہمی روابط تھے۔ برطانوی ہندستان میں ہم گیارہ میں سے پانچ صوبوں میں اکثریت میں تھے جن کی حکومت ہمارے ہاتھ میں تھی اور جو مجموعی آبادی کا تقریباً ایک تہائی تھا۔ مرکز میں ہمارا فیصلہ کن رول تھا۔ یہاں تک کہ رجواڑوں میں سے بھی کچھ کی زمامِ اقتدار ہمارے ہاتھ میں تھی۔ تقسیم نے ہم سے وہ سب کچھ چھین لیا، ہمارے اتحاد کی دھجیاں اڑ گئیں، اب ہم تین حصوں میں منقسم ہیں۔ پاکستانی مسلمان، ہندستانی مسلمان اور بنگلہ دیشی مسلمان، جن کے مابین کوئی رابطہ نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو بے حد خفیف۔ اب ہم بالکل بے یار و مددگار ہیں اور ہماری کثیر جہتی تاریخ آئندہ نسلوں کے لیے گم ہو چکی ہے۔ جیسے ہی تقسیم عمل میں آئی مصائب کا پہاڑ کھڑا ہو گیا۔ اس نے منقسم ہندستانی مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ مولانا آزاد کے پاس مدد کے لیے دوڑے۔ انھوں نے جو کچھ کہا وہ آج بھی موزوں اور برمحل ہے۔ "کیا آپ کو یاد ہے؟ میں نے آپ کو آواز دی، آپ نے میری زبان کاٹ دی۔ میں نے اپنا قلم اٹھایا، آپ نے میرے ہاتھ قلم کر دیے۔ میں آگے بڑھنا چاہتا تھا، آپ نے میرے پاؤں کاٹ دیے۔ میں نے پلٹنا چاہا اور آپ نے میری پشت کو زخمی کر دیا۔ میں نے ہر خطرے سے آپ کو ہوشیار کیا، لیکن آپ نے میری آواز پر کان نہ دھرا۔ میں نے آپ کو خبردار کیا کہ دو قومی نظریہ ایک بامعنی اور باعزت زندگی کے لیے سمِ قاتل ہے، اسے ترک کر دیجیے۔ میں نے آپ سے کہا کہ جن ستونوں پہ آپ تکیہ کیے بیٹھے ہیں وہ لازمی طور سے ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں گے۔ آپ نے ان تمام باتوں کے لیے اپنے کان بہرے کر لیے... وقت تیزی سے گزرتا چلا گیا اور آج آپ نے یہ محسوس کیا کہ آپ کے نام نہاد قائدین نے آپ کو بے بس اور بے یار و مددگار اور آپ کی قسمت کے بھروسے چھوڑ دیا ہے۔"

آج مسلمانوں کی حالت اس سے بھی بدتر ہے جو انھوں نے تقسیم کے وقت جھیلی۔ ہر میدان، ہر شعبے اور ہر سیکٹر میں خواہ وہ سیاسی ہو، تعلیمی ہو، سماجی یا معاشی، وہ ہر جگہ سمٹتے چلے گئے ہیں اور آج ان کی حالت ایک مزدور کی سی ہے۔ میں نے چند سال قبل اپنی کتاب The Widening Divide میں مسلمانوں کی پوری صورت حال، حقائق اور اعداد و شمار کی مدد سے ظاہر کر دی تھی۔ اس کتاب میں ان دنوں کے تجربات و مشاہدات شامل ہیں جب میں مسز اندرا گاندھی کے قائم کردہ اقلیتوں، پس ماندہ ذاتوں اور قبائل کے

● حکیم عبدالحمید یادگاری خطبہ جامعہ ہمدرد، نئی دہلی میں 14/ستمبر 2002 کو پیش کیا گیا۔ کسی قدر تلخیص کے ساتھ انگریزی متن کا اردو ترجمہ قارئین کی نذر ہے۔

ہائی پاور پینل کا ممبر سکریٹری تھا۔ مسز اندرا گاندھی جب 1980 میں دوبارہ اقتدار میں آئیں تو انھوں نے مجھے اقلیتوں، پس ماندہ ذاتوں اور قبائل کے ہائی پاور پینل کا ممبر سکریٹری مقرر کیا۔ اس کے چیئرمین ڈاکٹر گوپال سنگھ تھے جنھوں نے اس پینل کی میٹنگوں کی صدارت کی۔ اس کے تقریباً دس ممبران تھے۔ جن کا تعلق مختلف ذاتوں اور فرقوں سے تھا۔ ہم لوگوں کو مختلف جماعتوں کی مجموعی صورت حال کے متعلق اعداد و شمار اکٹھا کرنے کی ذمے داری دی گئی تھی۔ مجھے ایگزیکیٹو ہیڈ بنایا گیا تھا اور ریسرچ ایڈمنسٹریشن کا کنٹرول سونپا گیا تھا۔ پینل میں سیکڑوں ریسرچ اور سماجی کارکن تھے اور انھوں نے پورے ملک میں تمام سرکاری اور غیر سرکاری ایجنسیوں، پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر تعلیمی اداروں اور سماجی تنظیموں سے رابطہ قائم کیا۔ چار سال کی مسلسل اور سخت محنت کے بعد پینل نے اپنی Findings پیش کردیں جو آنکھیں کھولنے والی تھیں۔ مسلمان ہر شعبے میں سب سے پیچھے تھے۔ ان کی معاشرتی اور تعلیمی صورت حال، پس ماندہ طبقات سے بھی بدتر تھی۔ ہم لوگوں نے وزیراعظم کو جو رپورٹ پیش کی اس میں مسلمانوں کی ایک جامع تصویر کے ساتھ ہماری سفارشات بھی شامل تھیں۔ انھوں نے جب اس کا مطالعہ کیا تو ششدر رہ گئیں۔ انھوں نے مجھے بلایا، ان دنوں میں پارلیامنٹ میں ان کا نائب لیڈر تھا۔ انھوں نے مجھ سے یہ کہہ کر رپورٹ واپس کردی کہ وہ اسے پارلیامنٹ کے دونوں ایوانوں میں پیش نہیں کرسکتیں کیوں کہ اس پر کافی ہنگامہ ہوگا۔ اس طرح یہ رپورٹ لگ بھگ دس سال تک شیلف میں پڑی رہی۔ وی پی سنگھ جب وزیراعظم بنے تو یہ رپورٹ لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں پیش کی گئی۔ لیکن حکومت کے ذریعے منڈل کمیشن سفارشات کی منظوری کے بعد ہنگامہ برپا ہوگیا اور ہماری رپورٹ نظرانداز کردی گئی۔ اس کے بعد کچھ ممبران پارلیامنٹ کے ذریعے آواز ضرور بلند کی گئی لیکن کسی بھی حکومت نے ان سفارشات کو نافذ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ یہ آج بھی ٹھنڈے بستے میں پڑی ہیں۔

اس صورت حال میں ہندستانی مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔ مقابلہ آرائی سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہونے والا۔ 55 برسوں کے تلخ تجربے سے ہم نے جو کچھ سیکھا ہے، اس کے مطابق ایک ہی راستہ ہے۔ مسائل کے حل کے لیے وہ اپنا نظریۂ عمل تبدیل کریں جو ہمیں مسلسل پریشان کرتا رہا ہے۔ ہندوؤں سے اختلافات پر زور اب بے معنی ہوچکا ہے، اس سے خلیج میں مزید اضافہ ہی ہوگا۔ مسلمانوں کو اپنا علاحدگی پسندانہ رویہ ترک کرکے قومی مرکزی دھارے کا ناگزیر حصہ بننا ہوگا۔ انھیں اپنی شناخت ختم کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن انھیں ہندوؤں کے ساتھ لازمی طور پر کھلے دل سے اشتراک کرنا ہوگا تاکہ مخلوط قومیت پروان چڑھ سکے، جو ہمارے افتخار کا باعث رہا ہے۔ اس کے لیے انھیں سب سے پہلے اپنی Ghetto (اپنے ہم قوموں کے بیچ رہنے کی ذہنیت) سے نجات حاصل کرنی ہوگی، علاحدگی پسندی کو خیرباد کہنا ہوگا اور امن و آشتی کا ماحول بنانا ہوگا۔

اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے انھیں سنجیدگی سے مثبت انداز میں سوچنا ہوگا کہ وہ فرقہ پرست ہندوؤں کی فرقہ واریت کے زہر کا مقابلہ کیسے کریں۔ مقابلہ آرائی کا رویہ یہاں مددگار نہیں ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قول و فعل کے ذریعے دونوں کے رشتے بدلنے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ رہ سکیں اور ہندستان کے دیگر شہریوں کی طرح وہ بھی یکساں انداز میں جی سکیں اور ان کے ساتھ کام کرسکیں۔ میرا خیال ہے کہ انھیں وہ طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے جو سرسید احمد خاں نے ہمارے اسلاف کے سامنے ڈیڑھ صدی پہلے پیش کیا تھا۔ یہ ایک کایا پلٹ تھی کہ وہ انگریزوں کی طرف مائل ہوئے جو 1857 کے بعد سے مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ سرسید احمد خاں نے اس سمت میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ شروع میں ان کی بدنامی بھی ہوئی اور انھیں قوم کا غدار بھی کہا گیا۔ علماء کی ایک جماعت مکہ بھی بھیجی گئی جنھوں نے وہاں کے مفتیِ اعظم سے سرسید کے قتل کا فتویٰ حاصل کیا کیوں کہ وہ دشمنوں کے ساتھ تعاون کررہے تھے اور ان کے ساتھ تعلقات بنارہے تھے۔ لیکن سرسید مضبوطی سے اپنے کام میں لگے رہے، ان کے قدم بالکل نہیں ڈگمگائے بلکہ وہ اور عزم و حوصلے سے آگے بڑھتے رہے۔ ان کی محافظت نے مسلمانوں کو بچایا اور ان کی کوششوں سے مسلمان آگے بڑھنے اور کچھ کرنے کے قابل ہوسکے۔ آج مسلمان بے حد خراب صورت حال سے دوچار ہیں لیکن آج کوئی سرسید نہیں ہے جو انھیں راستہ دکھاسکے۔ ہندوؤں کے ساتھ ان کے رشتے پہلے سے زیادہ خراب ہوچکے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ انھیں بہتر بنانا بہت آسان بھی نہیں ہے۔ اس راہ میں بڑی دشواریاں ہیں لیکن انھیں ان پر قابو پانا ہوگا۔ انھیں ہندوؤں میں قائم تعصبات کو ختم کرنے کے لیے بڑی محنت کرنی ہوگی۔ کچھ تاریخی چیزیں ہمیشہ راہ میں حائل ہوتی ہیں لیکن آج کا مسلمان اس سلسلے میں اس کے سوا کچھ نہیں کرسکتا کہ وہ فرقہ پرست ہندوؤں پر یہ واضح کرے کہ انھیں ان غلطیوں کی سزا نہیں ملنی چاہیے جو ماضی میں بعض حکمرانوں نے کی تھیں۔

ایک معروضی تجزیے سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ہندوؤں کا تعصب نامناسب ہے۔ مذہبِ اسلام کے خلاف بہت ساری غلط فہمیاں ہیں جنھیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کے نام نہاد لیڈر ایسے ایسے مسائل کو

موضوع بناتے ہیں جن کا مسلمانوں کی روزمرہ زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ دراصل یہ مسائل کو سلجھانے کی بجائے انھیں اور مصیبت میں ڈالتے ہیں اور دہشت پھیلانے میں بالواسطہ طور پر ہندوؤں کی مدد کرتے ہیں۔ میں ان لیڈروں کی فہرست تیار کرنا نہیں چاہتا کیوں کہ ہر مسلمان ان سے واقف ہے اور کسی نہ کسی طور سے ان کا شکار ہو چکا ہے۔

بہر حال جب جذبات عروج پر ہوتے ہیں تو یہ عوام کو اشتعال دلاتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ مسلمان حقائق کا سامنا کریں اور اپنی سوچ اور طرزِ عمل میں بدلاؤ لائیں خواہ وہ کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو، یہ کام ہمیں عزم و حوصلے سے کرنا ہوگا۔

سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ بار بار ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کا ہے جو ہندو مسلم اتحاد میں کشیدگی پیدا کرتے ہیں۔ اعداد و شمار کے مطابق 150 سال کی انگریزی حکومت کی بہ نسبت آزاد ہندستان میں زیادہ تعداد میں اور زیادہ خطرناک فسادات ہوئے ہیں۔ پہلے دونوں فرقے اس کا شکار ہوتے تھے۔ لیکن اب اس کی زد میں زیادہ تر مسلمان ہی آتے ہیں۔ اس میں جان اور مال کی بربادی تو ہوتی ہی ہے ساتھ ہی یہ پورے فرقے کو کمزور بھی کر رہے ہیں۔ اس فتنے نے مسلمانوں کو پوری طرح سے جڑ سے اکھاڑ دیا ہے۔ حکومت کی طرف سے ان کی باز آبادکاری کا وعدہ تو کیا جاتا ہے لیکن چاہے کوئی بھی سرکار اقتدار میں کیوں نہ رہے، ان کی باز آبادکاری کے لیے کبھی کوئی کارگر قدم نہیں اٹھایا جاتا۔ سپریم کورٹ کے ممتاز جیورسٹ وی آر کرشنا ائیر نے ثابت کیا ہے کہ "زیادہ تر بڑے فرقہ وارانہ فسادات میں اقلیتی طبقے کو ہی سب سے زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود انھیں انصاف بھی نہیں ملتا ہے۔" زیادہ تر افسران اور پولیس ان کی حفاظت کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ساری حکومت اور انکوائری کمیشن کی تمام سفارشات بالائے طاق رکھ دی جاتی ہیں۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کو کیا حقیقت پسندی سے سوچنا نہیں چاہیے کہ وہ کس طرح ہندوؤں کے ساتھ اپنے رشتے بہتر بنائیں اور حالات کو بہتر بنانے میں سرکار، کمیشن اور عدالت پر انحصار نہ کریں۔ مسلمانوں کی حفاظت کا ایک ہی راستہ ہے کہ امن اور بھائی چارے کا ماحول تیار کیا جائے تاکہ بار بار فرقہ وارانہ فسادات نہ ہوں۔

لیکن بدقسمتی سے ان کے نام نہاد لیڈروں نے تقسیم ملک کے بعد کے فسادات سے سبق حاصل نہیں کیا اور نہ ہی انھیں روکنے کی کوشش کی۔ انھیں صرف اپنی شہرت اور لیڈر شپ چمکانے سے مطلب تھا۔ ان کا برتاؤ متکبرانہ تھا۔ انھوں نے اپنے تیز لب و لہجے کے ذریعے جھوٹی بہادری دکھانے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں کئی بار احتجاج اور نعرے بازی کے ذریعے انصاف طلبی کا ڈھونگ بھی رچا گیا لیکن مسلمانوں کو کچھ حاصل نہیں ہو سکا۔ وہ لوگ حکومت کے خلاف مختلف لایعنی مسائل پر جنگ آزما رہے جس سے رشتے بہتر ہونے کے بجائے اور خراب ہی ہوئے۔ یہ لیڈران یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ شکایات سے متعلق آواز بلند کر کے، ناخوشی کا مظاہرہ کر کے یا رنج و غم کا اظہار کر کے اور دھمکیاں دے کر شہرت تو حاصل کی جاسکتی ہے لیکن اس سے قوم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا جاسکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ ایسی حرکتوں سے نقصان ہی ہوا ہے۔ یہ لیڈران آئین کا حوالہ دے کر اقلیتوں سے متعلق مختلف قوانین کے نفاذ کے مطالبے کرتے رہے لیکن اس سے مسلمانوں کو کوئی تحفظ فراہم نہیں ہو سکا اور تو اور جمہوریت میں بھی ان کا بھلا نہ ہوا اور ان کی حیثیت صرف نمبر گنوانے والے فرقے کی رہی۔

علاوہ ازیں کیا کبھی مسلمانوں کے مختلف فرقوں پر ان لیڈروں کی گرفت کا جائزہ لیا گیا؟ کیا کبھی ان کے استناد کی جانچ کی گئی۔ وہ بغیر اپنی طاقت کا اندازہ لگائے مقابلہ آرائی میں مصروف رہے جو خود کش ثابت ہوا۔ قرآن میں حکمت کے متعلق درج ہے کہ یہ مقابلہ آرائی سے بچاتی ہے، سوا اس صورت کے جب اپنا بچاؤ کرنا ہو۔ حضرت محمدؐ نے رواداری کی تعلیم دی اور اپنے دشمنوں سے بھی تعاون کر کے اس کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ کیا ان لیڈروں نے اس سمت میں حضرت محمدؐ کی پیروی کی کوشش کی؟ کیا انھوں نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت کی کہ ان کے برتاؤ کا کتنا خراب اثر مسلمانوں پر پڑے گا؟ ہر موقعے پر ان کے ضدی اور غیر مصلحت پسندانہ رویے نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے رشتے کو کمزور ہی کیا ہے۔ کیا میں ان لیڈروں کی نکتہ چینی کرنے میں حق بجانب ہوں؟ میں جاوید اختر کا ایک شعر پیش کر رہا ہوں۔

میں جانتا ہوں کہ خامشی میں ہی مصلحت ہے
یہ مصلحت اب مگر میرے دل کو کھل رہی ہے

شاعر یہ قبول کرتا ہے کہ سچ کا اظہار آسان نہیں ہے اس کے لیے بہت حوصلے کی ضرورت ہے۔

جانے یہ کیسا دور ہے جس میں یہ جرأت بھی مشکل ہے
دن ہو اگر تو اس کو لکھوں دن، رات اگر ہو رات لکھوں

مجھے ڈپٹی نذیر احمد کی ایک نظم یاد آرہی ہے جس میں انھوں نے ایسے حالات میں مسلمانوں سے خطاب کیا ہے۔ جب ان کو کم و بیش آج جیسی ہی صورت حال درپیش تھی۔

کچھ نہ پوچھو آج ہم لیکچر میں کیا کہنے کو ہیں
قوم کو خود قوم کے منہ پر برا کہنے کو ہیں

مدتوں ہم ان کو چپکے چپکے سمجھایا کیے
اب جو کچھ کہنے کو ہیں سو برملا کہنے کو ہیں

آج ہندستان کے مسلمانوں کو بیدار ہو کر ایک ایسی سمت میں جانے کی ضرورت ہے جو انھیں پیچھے دھکیلنے کی بجائے آگے کی طرف لے جائے۔ انھیں تعصبات کو بھول کر اپنے آپ کو بدلتے وقت کی ضرورتوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے اور اپنی اندرونی قوت سے کام لے کر اپنے عزم ویقین کو پختہ کرنے کی ضرورت ہے۔ انھیں خود اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر جینا سیکھنا ہوگا۔ یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ ان کے تئیں ہمدردی کا اظہار کرتے رہے ہیں، وہ بہت سنجیدہ نہیں ہیں۔ وہ صرف الیکشن میں ووٹ حاصل کرنے کے لیے ایسا کرتے ہیں، یہ مختلف مواقع پر ثابت ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کو اس تمام صورت حال سے سبق لے کر اپنی اصلاح کرنا چاہیے۔

انھوں نے سیکولرزم پر بھروسہ کیا لیکن یہ ان کے لیے مددگار ثابت نہیں ہو سکا اور نہ ہی دیگر ممالک کے مسلمان ان کے نجات دہندہ بن سکے۔ مشہور کالم نگار طامس ایل فریڈ مین نے ایک معقول سوال پوچھا ہے "کیا وجہ ہے کہ ہندو جب سیکڑوں مسلمانوں کا خون کرتے ہیں تو عرب میڈیا میں ایک دبی ہوئی جذباتی سی خبر آتی ہے لیکن اسرائیل جب درجن بھر مسلمانوں کی جان لیتا ہے جہاں مسلمانوں اور یہودیوں کی جنگ میں دونوں طرف کے لوگ مارے جا رہے ہیں، تو پوری مسلم دنیا میں ہنگامہ کھڑا ہو جاتا ہے۔" اس کے بعد مذہبی انتہا پسند ہیں جنھیں پاکستان کی سرپرستی حاصل ہے اور جو ہر جگہ دہشت گردی پھیلا رہے ہیں اور مسلمانوں کو بدنام و رسوا کر رہے ہیں۔ ان کی ان حرکتوں کی وجہ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے بیچ کی دوری بڑھتی جا رہی ہے۔ ان طاقتوں نے مسلمانوں کو قومی مرکزی دھارے کی جدید زندگی سے دور کر دیا ہے۔

اسلام کی طویل تاریخ میں دہشت گردی کی صرف ایک مثال دیکھنے کو ملتی ہے اور وہ ہے گیارھویں صدی میں خطرناک دہشت گرد حسن الصباح اور اس کے ساتھیوں کے ذریعے معصوم لوگوں کا قتل۔ اس کی دہشت گردی نے مسلم دنیا کو اس قدر ہلا دیا کہ امام غزالیؒ جو علما اور صوفیا میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے اور جنھوں نے اسلام کے فروغ میں اہم رول ادا کیا تھا جس کی وجہ سے انھیں "مجدد اسلام" کا خطاب ملا، انھوں نے اس طرح کے جرائم کی مخالفت میں قلم اٹھایا اور کہا کہ "اگر مسلمانوں نے دہشت گردی کو ختم نہیں کیا تو دہشت گردی انھیں ختم کر دے گی۔"

دہشت گردوں نے مسلمانوں کو غیر مسلموں سے الگ کرنے کے ساتھ ساتھ سماج سے بھی الگ کر دیا۔ مسلمانوں کو شک کی نظر سے دیکھا جانے لگا، وہ نوکریوں سے محروم ہو گئے، ان کا کاروبار تباہ ہو گیا، ان کے بچے بچیوں کو ذلیل کیا جانے لگا، یہی نہیں استاد اور ہم جماعت بھی انھیں ناپسند کرنے لگے۔ ان کے ہم وطنوں کے ذریعے ان کے بچوں کا مذاق اڑایا جانے لگا۔ آج بہت سی جگہوں پر مسلمان خوف ودہشت کے ماحول میں جی رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرنے کے بجائے برادری سے باہر اور اچھوت بنا دیا گیا۔ جب بھی تشدد پسند طاقتیں موت کا کھیل شروع کرتی ہیں مسلمانوں کی اکثریت خوف وہراس میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ وہ ہر لمحے اس خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ پتہ نہیں ان کے اور ان کے گھر والوں کے ساتھ کیا ہوگا۔

ایک ناقد کے مطابق "ان فدائین کے پاگل پن کی وجہ سے مسلمانوں کی بہترین تہذیب، تمام دنیا جس کی شاہد ہے، آج سر عام رسوا اور بدنام ہو چکی ہے۔ [پاکستان کے] صدر مشرف کو بھی یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جہادی نہ صرف باہر کے ملکوں میں دہشت پھیلا رہے ہیں بلکہ پاکستان میں بھی قابو سے باہر ہیں۔ ہندستان میں وہ نہ صرف معصوم بچوں، عورتوں، مردوں اور زیادہ تر کشمیری ہندوؤں کی جان لے رہے ہیں بلکہ وہ ہندستانی مسلمانوں کے لیے بھی پریشانیاں کھڑی کر رہے ہیں۔ اس حقیقت کو پرویز مشرف نے بھی قبول کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ "اسلام سب سے زیادہ رواداری پر یقین کرتا ہے۔ اس پر دنیا کہاں تک یقین کرتی ہے؟ دنیا ہمیں دہشت گرد سمجھتی ہے۔ ہم ایک دوسرے کی جان لے رہے ہیں اور اب ہم اس تشدد اور دہشت گردی کو پوری دنیا میں پھیلا رہے ہیں۔ فطری طور پر دنیا ہمیں دہشت گرد تصور کرے گی۔ ایک آدمی ڈینگ مارتا ہے کہ ہم لوگ لال قلعہ پر اپنا پرچم لہرائیں گے۔ ہم یہ کریں گے، ہم وہ کریں گے، کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ ہندستان کے مسلمانوں کو اس کے کیا نتائج بھگتنے پڑیں گے۔"

ان کی قاتلانہ حرکتوں کا افسوسناک اثر ہندو مسلم رشتوں پر پڑا ہے۔ یہ بے حد تکلیف دہ ہے کہ پاکستان کے عوام اور کشمیری علاحدگی پسند اس سے بالکل بے پروا ہیں۔ پاکستان اور جہادیوں کے خلاف کھل کر سامنے آنے کی بجائے یہ نام نہاد لیڈر اپنا زیادہ تر وقت بے بنیاد مسئلوں پر برباد کرتے ہیں، جن کا مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس مذہبی جنون کا مظاہرہ وہ آئے دن کرتے رہتے ہیں اس سے فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ ہی ہوتا ہے، اس سے کسی کا بھلا نہیں ہوتا الٹے ہندو فرقہ پرستی کو بڑھاوا ہی ملتا ہے۔ اس کا سب سے برا اثر ہندستان کے گاؤوں میں رہنے والے مسلمانوں پر پڑتا ہے جو مسلم آبادی کا تقریباً 70% ہیں۔ ان مسلمانوں پر ان کے پڑوسی اعتبار نہیں کرتے اور انھیں ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ نتیجتاً ان پر خوف زدگی طاری ہو گئی ہے جس کے باعث وہ ایک نارمل اور پرسکون زندگی

گزارنے سے قاصر ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کچھ ہندوؤں کے دل میں مسلمانوں کے لیے بڑی جگہ ہے لیکن ہندوؤں کا ایک بڑا طبقہ ان سے نفرت کرتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نمائندہ ہندو دانشوروں نے دونوں فرقوں کے امتیازات کی بنا پر تفریق ڈالنے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں کے تئیں نفرت کو بڑھاوا دیا ہے۔ نوبل انعام یافتہ وی ایس نائپال نے صاف لفظوں میں مسلمانوں کی کلیتہً مخالفت کی ہے اور ان کے خلاف انتقامی کارروائیوں کو جائز ٹھہرایا ہے۔ یہ ایک چھوٹے طبقے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ امیر غریب، مرد عورت، بوڑھے جوان، یہاں تک کے بچے بھی اس سے اچھوتے نہیں ہیں۔ والدین اپنے بچوں کو مسلمانوں سے دور رہنے کی ترغیب دیتے ہیں اور مسلم فوبیا کا خوف ان پر مسلط کرتے ہیں۔ حالت تو یہ ہے کہ اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ بھی مسلمانوں کے خلاف غلط الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے تئیں ہندوؤں کے تحقیر آمیز رویے کے سلسلے میں ممتاز صحافی خوشونت سنگھ کا کہنا ہے کہ "دلی کے اعلیٰ طبقے میں بھی اس طرح کے خیالات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ مشہور کلبوں، ڈپلومیٹک ریسپشنوں (Receptions) اور کاک ٹیل پارٹیوں میں بھی یہی رویہ دیکھنے کو ملتا ہے جہاں راجدھانی کے اعلیٰ ترین سوسائٹی کے لوگ آتے ہیں۔ وہاں بھی جب مسلمان اور اسلام کی بات آتی ہے تو تحقیر آمیز جملے اور فقرے استعمال کیے جاتے ہیں اور ان کے بدنما چہروں پر طنزیہ مسکراہٹ جھلکنے لگتی ہے۔ دل چاہتا ہے کہ ایسے شریمان اور شریمتیوں کے منہ پر اپنا وہسکی بھرا گلاس پھینک کر باہر نکل جاؤں۔"

یہ وہ کڑوی سچائی ہے جس سے مسلمانوں کا سابقہ ہے۔ انھیں ہندوؤں کے ساتھ اپنے رشتے ہموار اور برقرار رکھنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی ہوگی۔ مسلم لیڈران کی اکثریت اس رشتے کو بہتر بنانے میں مدد کرنے کی بجائے مسلمانوں کے جذبات سے کھیل کر عام مسلمانوں کو مزید پریشانی میں ڈال رہی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور حضرات بھی ہیں جو آگ میں گھی ڈالنے والے مسلم ملاؤں، عالموں اور صحافیوں کی پشت پناہی کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ نوبل ایوارڈ یافتہ ماہر معاشیات امرتیہ سین کے مطابق، مقابلہ آرائی کی جدلیات کو اُس دانشورانہ کنفیوژن سے مزید بڑھاوا ملا ہے جو اکیڈمک دنیا سے صحافتی دنیا تک پھیل گیا ہے۔ مسلمانوں کے خود ساختہ اور نام نہاد لیڈروں کو جو ہندستانی مسلمانوں کی طرف سے بولنے کا ڈھونگ کرتے ہیں، انھیں یہ عادت وراثت میں ملی ہے۔ انھیں اپنی یہ عادتیں ترک کرنی ہوں گی اور اپنے آپ کو بدلتے وقت سے ہم آہنگ کرنا ہوگا۔

مسلمانوں کے نام نہاد چیمپین اور ان کے مسلک کا دفاع کرنے والوں کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے کام سے کام رکھیں اور مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ وہ انھیں بہت نقصان پہنچا چکے ہیں۔ دنیا میں انڈونیشیا کے بعد ہندستان میں سب سے زیادہ مسلمان ہیں۔ پچاس مسلم ملکوں کے مسلمانوں کے برخلاف یہاں مسلمان حکمراں نہیں، رعایا ہیں۔ جناح کے دو قومی نظریے کے پروپیگنڈے کی مسلمانوں کی اکثریت نے حمایت کی۔ بہت پہلے ساورکر نے بھی دو قومی نظریے کی وکالت کی تھی جس پر ہندوؤں نے کان نہیں دھرا تھا۔ یہی وہ فرق ہے جس پر توجہ دینا ضروری ہے۔ گاندھی اور نہرو نے اس نظریے کو مات دینے کی کوشش کی۔ آج مسلمانوں کو اس تباہ کن نظریے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن کرکے ہندوؤں کے ساتھ امن اور بھائی چارہ قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ رومی نے کہا تھا کہ "اسلام، لوگوں میں اتحاد پیدا کرنے آیا تھا، نفاق کا بیج بونے نہیں۔" یہ کام بہت آسان نہیں ہے کیوں کہ فرقہ پرست ہندو ساورکر کے دو قومی نظریے کے احیاء کی کوشش میں لگے ہیں اور ردِ عمل کے طور پر جناح کو پیچھے چھوڑتے ہوئے اسے عمل میں لانے کے درپے ہیں۔ اب ہندستان میں اور کوئی گاندھی یا نہرو نہیں ہے جو اس کے مضر اثرات سے بچانے کی کوشش کرسکے۔

ہندستانی مسلمانوں کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ نئے چیلنجوں کا ساتھ دینا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ اپنی مذہبی اور تہذیبی وراثت کی حفاظت۔ ان دونوں پر عمل درآمد یکساں ضروری ہے اور اس کے لیے عزم و حوصلے کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبال نے اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

اس لیے انھیں اپنی سوچ اور نظریۂ عمل کی مکمل طور سے قلب ماہیئت کے لیے آگے آنا ہوگا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرسکے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ تباہ و برباد کردیے جائیں گے۔ میں اقبال کا ہی ایک اور شعر تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ پیش کر رہا ہوں، جو آج زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندی مسلمانو!
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ہندستانی مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ تاریخ نے بدقسمتی سے انھیں ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا ہے جہاں 'آگے خندق پیچھے کھائی' والی صورتِ حال درپیش ہے۔ انھیں اپنے آپ کو بچانے کے لیے خصوصاً نوجوان نسل کو تعلیمی اور سماجی ترقی سے لیس ہونا ہوگا۔ اس طرح وہ تمام رکاوٹوں کے باوجود مشکلات پر قابو پاسکیں گے اور اپنا مستقبل روشن کرسکیں گے۔ ان کے پاس ذہنی اور جسمانی دونوں طاقتیں ہیں۔ ضرورت ہے ان کے صحیح استعمال کی۔

انھیں خود پر آرام کو حرام قرار دینا ہوگا۔ اقبال کے لفظوں میں:

خونِ رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا

انھیں کامیابی اسی وقت ملے گی جب ان کے والدین اپنے پرانے طور طریقوں کو ترک کر کے اپنے بچوں اور بچیوں کی بہتر تعلیم کا انتظام کریں۔ اب مواقع بہت وسیع ہیں۔ کمپیوٹر اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کی آمد نے روزگار کے بہت سے نئے راستے کھولے ہیں۔ میرے قائم کردہ ایسے درجنوں کالج اور اعلیٰ تعلیم کے ادارے ہیں جن میں مسلم لڑکیاں، لڑکوں سے زیادہ بہتر رزلٹ لا رہی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یونی ورسٹی کی میرٹ لسٹ میں بھی ان کا اچھا مقام ہے۔ ان میں ذہانت اور سیکھنے کی للک ہے جس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔

نوجوان مسلمانوں کو اپنے منتخبہ میدانوں میں پوری مہارت حاصل کرنی چاہیے تاکہ کورس مکمل کرنے کے بعد وہ جہاں بھی جائیں اور جو کوئی بھی انھیں نوکری دے، انھیں ایک قیمتی اثاثہ خیال کرے۔ انھیں یہ مان کر چلنا چاہیے کہ صرف صلاحیت ہی ان کے کام آسکتی ہے، سرپرستی نہیں۔ ان کا مستقبل اسی میں محفوظ ہے کہ جو کام ان کے ذمے کیے جائیں، اسے وہ پوری ایمانداری، محنت اور لگن سے مکمل کریں۔ تب جا کر وہ اپنے خلاف جاری فرقہ وارانہ تعصب کا خاتمہ کر سکیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ انھیں بیک وقت اپنی ہندستانی اور اسلامی وراثت سے لگاؤ پیدا کرنا ہوگا اور دونوں پر یکساں فخر کا اظہار کرنا ہوگا۔ انھیں خود کو وقت کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا اور یہ ثابت کرنا ہوگا کہ جو ذمے داری ان کے سپرد کی جائے، وہ اسے بخیر و خوبی انجام دینے کی سکت رکھتے ہیں۔

آج کل مذہبِ اسلام خود مسلمانوں کے ہاتھوں زیادہ بدنام ہو رہا ہے۔ اپنے مفادات کے حصول کے لیے خود مسلمان اس کی اعلیٰ اقدار کو پیروں تلے روند رہے ہیں۔ انجام کار، ہر میدان میں اس کی ترقی اور اس کی روشن خیالی کا عظیم ورثہ آج تباہ و برباد ہے۔ یہ مسلمانوں خصوصاً نئی نسل کے نوجوانوں کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنے کردار اور عمل سے اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں۔ وہ اپنے آپ کو متحرک، فعال اور ترقی پسند اسلامی قوت کے طور پر پیش کریں جو پیچھے جانے کی بجائے آگے بڑھنے میں یقین رکھتا ہے۔ انھیں اپنی بہتر تخلیقی کوشش اور محنت سے مذہبِ اسلام کے شاندار ماضی کو پھر سے اسی مقام پر لانے کی کوشش کرنی ہوگی جو کام ان کے عظیم صوفیوں، دانشوروں، شاعروں اور سائنس دانوں نے انجام دیا تھا۔ دراصل جب دنیا کا زیادہ تر حصہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا تب ان صوفیائے کرام، دانش وروں، سائنس دانوں اور شاعروں نے اسے روشنی عطا کی۔ ہندستانی مسلمانوں کو اسی ماضی کا احیاء کرنا ہوگا اور جہادی تعصب پسندی کی نفی کرنی ہوگی جس نے مسلمانوں کو ہر جگہ اچھوت بنا دیا ہے۔ انھیں خود کو اسلام کی تعلیم، رواداری اور بھائی چارے کی مثال بن کر دنیا کے سامنے آنا ہوگا اور غیر مسلموں کو یہ یقین دلانا ہوگا کہ ان کا مذہب "جیو اور جینے دو" میں یقین رکھتا ہے۔ ان کی اس اصلاح کے ذریعے مذہبِ اسلام کا احیا ہو سکے گا اور دنیا کے سارے مسلمانوں کی رہنمائی ہو سکے گی جو تاحال گمنامی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ہندستان جمہوری اقدار، انسانی حقوق اور شہریوں کی آزادی کی تعلیم دیتا ہے اور اسی کے زیرِ سایہ پروان چڑھا ہے۔ ہندستانی مسلمانوں کو بھی انھی خطوط پر آگے بڑھنا ہوگا اور دبے کچلے اور کمزور مسلمانوں کی رہنمائی کرنی ہوگی تاکہ وہ ایک روشن مستقبل سے ہمکنار ہو سکیں۔

انھیں عالم کاری سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے اور بلند مقام حاصل کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں کا استعمال کرنا چاہیے۔ زیادہ تر مظلوم اور استحصال زدہ عوام نے اسی طرح اپنا مقدر سنوارا ہے۔ مغرب میں یہودی کئی صدیوں تک ظلم و ستم کا نشانہ بنتے رہے لیکن انھوں نے سخت محنت کی اور اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا۔ انھوں نے جانفشانی سے کام کیا اور ہر میدان اور ہر شعبے میں امتیازی حیثیت حاصل کی۔ آج وہ سائنس، ادب، معیشت اور سیاست غرض ہر میدان میں غیر معمولی طور پر اثرانداز ہو رہے ہیں۔ اس بدتر صورتِ حال سے نجات کا یہی راستہ ہے جس میں حالات نے مسلمانوں کو گرفتار کر رکھا ہے۔ اس وقت انھیں سکندر علی وجد کی بات کو ذہن نشیں رکھتے ہوئے اعلیٰ کامیابیاں حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اغیار مہر و ماہ سے آگے نکل گئے
الجھے ہوئے ہیں صبح کی پہلی کرن سے ہم

قرآن کہتا ہے کہ "اللہ کبھی اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو خود اپنی حالت بدلنا نہیں چاہتی۔" کیا ہندستانی مسلمان اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کریں گے؟

سب سے پہلے انھیں اپنے گھروں کی ترتیب ٹھیک کرنی ہوگی اور اپنے آپ کو جدید ضروریات کے مطابق تیار کرنا ہوگا۔ اس کے بعد انھیں مسلم پرسنل لاء میں چند ضروری اصلاحات کے سلسلے میں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ ان کٹھ ملاؤں کو جنھوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور دنیا میں کیا ہو رہا ہے، اس کی انھیں کوئی خبر نہیں ہے، اس کی بالکل اجازت نہیں دینی چاہیے کہ مسلمانوں کو بھی اسی حصار میں بند کر دیں جس کی وجہ سے وہ آگے بڑھنے اور جمہوری طاقتوں کی فراہم کردہ ٹیکنالوجیکل ترقیوں اور مواقع سے

فائدہ اٹھانے سے محروم رہ جائیں۔

ماضی میں جس طرح "اجتہاد" کا آزادانہ استعمال قانون کے ماہرین نے کیا ہے اسی طرح موجودہ نسل کو بھی اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے۔ سر سید احمد خاں اور علامہ اقبال جنھوں نے بالترتیب انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے ہندستانی مسلمانوں کی فکر پر گہرے اثرات مرتسم کیے، ان دونوں مفکرین نے بھی اجتہاد کی زبردست وکالت کی تھی۔ انھوں نے تقلید پر علما کے زور کو بے وقعت قرار دیا۔ دونوں مصلحین کا یقین تھا کہ قرآن میں زندگی سے متعلق ایک بہترین نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ قرآن ہر نسل کو ماضی سے قطع نظر اپنا لائحۂ عمل خود طے کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اقبال کا خیال تھا کہ کسی بھی مذہبی عالم کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسلام میں کسی شرعی فکر کو حتمی قرار دے۔

اقبال نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جدید طرز زندگی کے حامل لبرل (Liberal) مسلمانوں کی موجودہ نسل کا، اپنے تجربات اور تبدیل شدہ حالات میں اسلام کے بنیادی شرعی اصولوں کی از سر نو توضیح کا مطالبہ بالکل درست ہے۔ قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ زندگی ایک ترقی پسند تخلیق کا عمل ہے جو اس پر زور دیتا ہے کہ ہر نسل کو اپنے اسلاف کے کاموں سے قطع نظر اپنے مسائل خود سلجھانے کی آزادی ہونی چاہیے۔ جن چند ضروری مسائل پر غور کرنے کی ضرورت ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1- ہم بھلے ہی جسٹس امیر علی اور جسٹس محمود کی یک زوجگی کی تجویز قبول نہ کریں، مصر کے مسلمانوں نے اسے قرآن کی ہدایات کے مطابق ایک بہتر متبادل قرار دیا ہے۔

2- کیا شادی، طلاق اور نان و نفقہ سے جڑے ہوئے قوانین میں ترمیم کی ضرورت نہیں ہے؟ اس پر بحث کے بجائے بہت سے مسلم ممالک نے کئی اہم قدم اس سمت میں اٹھائے ہیں۔

3- کیا ہمیں سنجیدگی سے اپنے ہم مذہبوں کو خاندانی منصوبہ بندی کی طرف راغب نہیں کرنا چاہیے؟ کیوں کہ اس کے بغیر ہندستان غریبی، بیماری اور بے روزگاری سے نجات حاصل نہیں کر سکتا ہے۔

4- اب سوال بابری مسجد کا ہے۔ کیا ہمیں اس مسئلے کو اور طول دینا چاہیے جو پہلے ہی ہندو مسلم رشتوں کو بہت نقصان پہنچا چکا ہے؟

5- ایک اہم سوال وندے ماترم گانے کا بھی ہے، اس کے متعلق یہ افواہ پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ ماں کے سامنے سجدہ کرنے کی بات کرتا ہے۔ وندے ایک سنسکرت لفظ ہے جس کا معنی ہے سر جھکانا، شکر ادا کرنا۔ کسی بھی صورت میں آئین کے ذریعے قرار دیے گئے قومی ترانے کا احترام ہم پر واجب ہے۔ اس میں مذہب کو آڑے نہیں آنا چاہیے۔ جو گانا چاہتے ہیں گائیں اور جو نہیں چاہتے، نہ گائیں۔

میں نے ایسے چند مسائل کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے ہندو مسلمانوں سے متنفر ہیں اور جن کی وجہ سے علاحدگی پسندگی میں اضافہ ہوا ہے۔ میں نہیں سمجھتا، ان میں سے کسی سے بھی مذہب کے تئیں ہماری وفاداری پر حرف آتا ہے۔ ان سے بچنے اور حالات سے موافقت پیدا کرنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے حکمت، جس کی ہدایت قرآن کریم بھی دیتا ہے اور جس پر حضرت محمدؐ نے بھی عمل کیا۔

مسلمانوں کے خلاف فرقہ پرست ہندوؤں کا غیض و غضب سیاست سے متاثرہ ہے۔ اس پر قابو پانے کے لیے مسلمانوں کو اس بات کی سعی کرنی ہوگی کہ ہندوؤں کو یہ باور کرانے کی کوشش کریں کہ ان سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور انھیں یہ اعتبار دلانا ہوگا کہ ان کے دل میں ان کے تئیں کوئی دشمنی نہیں ہے اور نہ ہی دیگر مسلمانوں کے ساتھ ان کے خلاف کوئی اندرونی سازش کر رہے ہیں۔ ہندستانی مسلمان بھی اس دھرتی کے ایسے ہی سپوت ہیں جیسے ہندو، اور ملک کو آگے بڑھانے کی ذمے داری ان پر بھی اتنی ہی ہے جتنی ہندوؤں پر۔ ماضی میں کچھ مسلم حکمرانوں کی غلط حرکتیں اور حال میں مسلمانوں کے کچھ خود ساختہ لیڈر اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے کہ ان کے رشتے بہت مضبوط اور قدیم ہیں جنھیں توڑا نہیں جا سکتا۔ بھلے ہی اس راہ میں بہت سی رکاوٹیں آئیں۔ سردار پٹیل نے بجا کہا تھا کہ جس طرح ندی کے پانی کو الگ نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھی الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ان دونوں میں اختلافات سے بہت زیادہ مشترک چیزیں ہیں۔ ادھر کچھ برسوں میں کچھ ایسے واقعات ہوئے جن کی وجہ سے ہندو مسلم رشتے کے منفی پہلوؤں کو زیادہ اچھالا گیا اور ان واقعات کی وجہ سے مسلمانوں کے تئیں ہندوؤں کی نفرت میں اضافہ ہوا۔ دونوں کی بہتری کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے دونوں ایک دوسرے کو سمجھیں اور دونوں کے رشتوں کے مثبت پہلوؤں کا ادراک کریں اور دونوں کے بیچ دوری پیدا کرنے والے اسباب کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ ایک بار ایک دوسرے پر اعتماد، اعتبار اور دوستی قائم ہو جائے پھر وہ اس قابل ہو جائیں گے کہ تمام شعبوں میں ان کی شہرت اور کامیابی کے ڈنکے بجیں۔ یہی ہزاروں برسوں سے ان کی روایت رہی ہے۔ ہندستان ہندو اور مسلمان دونوں سے اتفاق رائے کا طالب ہے، اختلاف کا نہیں۔ بین جانسن نے کہا تھا کہ "ہم آہنگی ناموافقت سے ہی پیدا ہوتی ہے۔" جب کہ پوپ نے کہا ہے کہ "یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ناموافقت مطابقت سے کیسے پیدا ہوئی۔" دنیا میں مسلمانوں کی آبادی کے اعتبار سے ہندستان دوسرے نمبر پر ہے۔

انھیں نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمان ملک کا ناگزیر حصہ ہیں، لنکن نے امریکا کے باشندوں سے خانہ جنگی کے موقعے پر کہا تھا کہ "وہ ملک جو اپنے آپ میں منقسم ہو وہ کسی بھی محاذ پر کامیاب نہیں ہو سکتا۔"

دانش مندی اسی میں ہے کہ ایک متحدہ، مضبوط اور کامیاب ملک کی تعمیر نو کے لیے ہندو اور مسلمان دونوں آگے بڑھیں تاکہ ملک کو استحکام اور یہاں کے عوام کو تحفظ فراہم ہو سکے۔ اس کے لیے ایک دوسرے کو بہتر طور سے سمجھنے اور دشواریوں کو سنجیدگی سے دور کرنے کی ضرورت ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو یہ لازمی طور سے سمجھنا ہوگا کہ نفرت سے ان کی صلاحیتوں کا صرف زیاں ہی ہوگا اور ملک کمزور ہوگا۔ علامہ اقبال نے اُن دنوں لازوال قومی ترانے کی تخلیق کی تھی جب وہ وطن پرستی کے جوش سے سرشار تھے۔ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" کے خالق نے اُسی زمانے میں ایک اور نظم لکھی تھی "نیا شوالہ" جس میں انھوں نے ایک نیا مندر بنانے کی دعوت دی تھی جس کی بنیاد اتحاد پر ہو اور جو دنیا کی تمام عبادت گاہوں سے زیادہ روشن اور شاندار ہو۔ ایسے ایک شوالے کی آج پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

سچ کہہ دوں اے برہمن! گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہوگئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے ترے فسانے
پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے
آ، غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں، نقشِ دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے، مدت سے دل کی بستی
آ، اِک نیا شوالہ اس دیش میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامانِ آسماں سے، اس کا کلس ملا دیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی، بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

(ترجمہ: فیاض عالم)

□□□

Dr. Rafiq Zakaria
Sealand-41, Cuffe Parade, Mumbai-400005

□□□

कौमी काउन्सिल बराए फरोग़-ए-उर्दू ज़बान
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
National Council for Promotion of Urdu Language
M/o Human Resource Development, Deptt. of Secondary & Higher Education, Govt. of India

مقام
صابو صدیق پالیٹکنک
بائی کلا، ممبئی

تیسرا کل ہند اردو کتاب میلہ
(तीसरा कुल हिन्द उर्दू किताब मेला)

تاریخ
4 تا 12 جنوری 2003

اشتراک : نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، انجمن اسلام (ممبئی)، مہاراشٹرا اسٹیٹ اردو اکادمی

کتابیں ماضی کا اثاثہ، حال کا سرمایہ اور مستقبل کی اساس ہیں

ملک بھر کے مشہور و ممتاز اردو ناشرین کی شرکت متوقع ہے

فارم جمع کرنے کی آخری تاریخ : 20. 12. 2002

فارم طلب کریں: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک۔8، آر۔کے۔پورم، نئی دہلی۔110066
فون: 6169416, 6109746، فیکس: 6108159، ای میل: urdueducation@hclinfinet.com

ظفر الاسلام اصلاحی

سر سید اور اجتہاد

سر سید علیہ الرحمہ زندگی کے مختلف شعبوں میں (خواہ ان کا تعلق علم سے ہو یا عمل سے) انقلابی تصور و اجتہادی فکر کے حامل تھے۔ عام طور پر تعلیم کی نسبت سے ان کے انقلابی تصورات اور مجددانہ افکار زیر بحث آتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے جن موضوعات پر اظہار خیال کیا یا جن معاملات میں دلچسپی لی ان سب میں ان کی مجتہدانہ شان نمایاں نظر آتی ہے۔ فقہ اسلامی بھی ان علوم میں شامل ہے جن میں ان کی دلچسپی کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ انھوں نے خاص فقہی نقطہ نظر سے بعض رسائل (مثلاً ابطال، غلامی، رسالہ طعام اہل کتاب، ازواج مطہرات) تحریر کیے اور اپنے مقالات، خطبات اور مکتوبات میں بہت سے مسائل پر فقہی مباحث پیش کیے۔ مزید برآں قرآن کریم کی تفسیر لکھتے وقت احکامی آیات کے ذیل میں فقہی نکات کی وضاحت کی۔ ان سب میں امر مشترک یہ ہے کہ انھوں نے اجتہادی فکر اختیار کیا اور اس کی جانب لوگوں کو راغب بھی کیا۔

سر سید اس فکر کے داعی تھے کہ ہر زمانے میں نہ صرف مجتہد کا ہونا ضروری ہے بلکہ نئے مسائل کے ضمن میں اجتہادی اصولوں کو روبہ عمل لانا بھی لازمی ہے۔ اسی لیے انھوں نے تقلید کی سخت مخالفت کی، علماء کے لیے اسے انتہائی مضر قرار دیا اور انھیں اس کے دائرے سے نکلنے کی بار بار دعوت دی۔ وہ اپنے ایک قریبی رفیق کو اسی جانب متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بھائی جان سنو۔ اب یہ وقت نہیں رہا کہ میں اپنے مکتوبات ضمیر کو مخفی رکھوں۔ میں صاف کہتا ہوں کہ اگر لوگ تقلید نہ چھوڑیں گے اور خاص اس روشنی کو نہ تلاش کریں گے اور حال کے علوم سے مذہب کا مقابلہ نہ کریں گے تو مذہب اسلام ہندستان سے معدوم ہو جائے گا۔ اسی خیر خواہی نے مجھے برانگیختہ کیا ہے جو میں ہر قسم کی تحقیقات کرتا ہوں۔"

(خطوط سر سید: ص 55)

ان کا سیدھا سادہ نقطہ نظر یہ تھا کہ مسائل کے حل کے لیے قرآن و حدیث سے رجوع کیا جائے۔ ان کی ہدایات یا ان کی اصولی تعلیمات کی روشنی میں جو بات واضح ہو اس پر عمل کیا جائے خواہ وہ کسی مسلک کے مطابق ہو۔ (مقالات سر سید، 39/13) سر سید کا یہ نقطہ نظر آج کے دور میں خاص طور سے ان نئے مسائل کے ضمن میں کافی اہمیت رکھتا ہے جن سے مسلم عوام کی اکثریت دوچار ہوتی رہتی ہے اور جن کے بارے میں علماء وقت مختلف رائیں رکھتے ہیں اور عوام ذہنی انتشار اور حیص بیص میں مبتلا رہتے ہیں کہ کس عالم کے فتویٰ یا موقف کو اختیار کریں۔ سر سید کے نقطہ نظر کے مطابق اگر عام دلچسپی کے نئے مسائل میں علماء اجتماعی غور و فکر کے ذریعے فتویٰ یا فیصلہ صادر کریں تو اجتہاد کا عمل بھی جاری رہے گا اور عوام کو ذہنی انتشار سے بچایا جاسکتا ہے۔

فقہی مسائل کے حل اور نئے مسائل کی بابت شریعت کا نقطہ نظر واضح کرنے میں سر سید قرآن و سنت کو کس درجہ اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ فقہ کے تیسرے مآخذ "اجماع" (علماء وقت یا ان کی اکثریت کا کسی مسئلے پر متفق الرائے ہونا) کے باب میں ان کا موقف یہ تھا کہ وہی اجماع قابل حجت ہے جس کی تائید کلام الٰہی و قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔ (مقالات سر سید، 35/13) دراصل وہ اس فکر کے داعی تھے کہ کسی بھی مسئلے میں کسی فقیہ یا عالم کا فتویٰ یا قول حرف آخر نہیں ہے۔ علماء کو چاہیے کہ وہ قدیم فقہا کے بیان کردہ مسائل پر قرآن و حدیث کی روشنی میں غور کرتے رہیں اور ہر زمانے میں جو نئے مسائل پیدا ہوں ان کے تئیں شریعت کا نقطہ نظر متعین کرنے کے لیے خاص طور سے قرآن و حدیث سے رہنمائی حاصل کریں اور عند الضرورت دوسرے مآخذ استعمال کرتے وقت ان بنیادی مآخذ کے رہنما خطوط کو پیش نظر رکھیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس پر سر سید نے کافی زور دیا اور یہ اجتہاد کا ماحصل ہے۔ اس سے مقصود ائمہ فقہ سے روگردانی نہیں بلکہ ان کے بتائے ہوئے طریقے کو اپنانا اور اسے رواج دینا ہے۔ اپنے مضامین، لکچرس اور خطوط میں انھوں نے جگہ جگہ اجتہاد کی ضرورت و اہمیت واضح کی ہے اور اس کی جانب ماہرین فقہ کو متوجہ کیا ہے۔ اس موضوع پر انھوں نے ایک مختصر مگر بہت جامع مضمون بھی "اہل سنت و الجماعت کے لیے مجتہد کی ضرورت" کے عنوان سے تحریر فرمایا تھا جو پہلے تہذیب الاخلاق (10 محرم 1289 ہجری) میں شائع ہوا اور بعد میں مقالات سر سید (مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی) کی پہلی جلد (صفحہ 290-291) میں شامل کیا گیا۔

اجتہاد کے دروازے کے کھلے اور بند رہنے کے بارے میں سنی علماء کے تین نقطہ نظر پائے جاتے ہیں۔ (1) فقہی مذاہب کی تشکیل یا چوتھی صدی ہجری کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا اور اب کسی کو اجتہاد کا حق حاصل نہیں ہے۔ (2) اجتہاد کا دروازہ بالکل بند نہیں ہوا ہے بلکہ اجتہاد مطلق یا ائمہ فقہ

جیسے اجتہاد کا سلسلہ موقوف ہو گیا ہے۔ اب ان کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق ہی اجتہاد ہو سکتا ہے۔(3) کسی قسم کے اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے خواہ وہ مطلق ہو یا مقید۔ ہر زمانہ کے فقہاء کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے وضع کردہ اصولوں کی روشنی میں نئے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کریں۔

سر سید نے ان علماء سے کلی اتفاق کرتے ہوئے اس بات پر خاص زور دیا ہے کہ اجتہاد فقہ اسلامی کا ایک "مسلسل باب ہے اور یہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا۔ اجتہاد پر بحث میں انھوں نے بہت ہی سادہ لیکن مؤثر انداز میں اجتہاد کی ضرورت و اہمیت ان الفاظ میں واضح کی ہے:

"اس غلطی اعتقاد (اجتہاد کا سلسلہ ختم ہو گیا) نے ہم سب مسلمانوں کو دین و دنیا میں نہایت نقصان پہنچایا ہے۔ اس لیے ہم کو ضرورت ہے کہ ہم اس خیال کو چھوڑیں اور ہر بات کی تحقیق پر مستعد ہوں، خواہ وہ بات دین کی ہو یا دنیا کی، غور کرنا چاہیے کہ ہر گاہ زمانہ حادث ہے اور نئے نئے امور اور نئی نئی حاجتیں ہم کو پیش آتی ہیں۔ پس اگر ہمارے پاس زندہ مجتہد نہ ہوں گے تو ہم مردہ مجتہدوں سے نئی بات کا مسئلہ جو ان کے زمانے میں حادث نہیں ہوئی تھی کیوں کر پوچھیں گے۔ پس ہمارے لیے بھی مجتہد العصر و الزماں کا ہونا ضروری ہے۔"

(مقالات سر سید، 291/1)

اس میں شبہ نہیں کہ ان کی بعض آراء سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا، لیکن انفرادی رائے کے باب میں ان کا یہ رویہ مثالی ہے کہ انھوں نے اپنی رائے کی صحت پر اصرار نہیں کیا۔ ناقدین نے صاف طور پر یہ کہا کہ ان کی رائے غلط ہو سکتی ہے لیکن ان کا یہ اجتہاد ہے جو دلائل پر مبنی ہے۔ تاہم یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص اسے تسلیم کرے۔ اگر کوئی شخص ان کی رائے نہیں قبول کرتا اور اس کے خلاف عمل کرتا ہے تو یہ بڑی اچھی بات ہے اور ایسا شخص محتاط کہا جائے گا۔ سر سید جیسا کہ معلوم ہے گلا گھونٹے ہوئے پرندوں کا گوشت کھانا جائز سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی حرمت قرآن یا نص قطعی سے ثابت نہیں ہے۔ ان کے اس موقف پر سب سے زیادہ اعتراض ان کے سب سے قریبی رفیق نواب محسن الملک نے کیا تھا۔ ان کے ایک خط کے جواب میں وہ لکھتے ہیں:

"اصل بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جو کسی طرح ہمارے مقاصد اور ترقیِ حسنِ معاشرت کا حارج ہو۔ اگر کوئی شخص عیسائیوں کے ساتھ کھانا کھانے میں عیسائیوں کی گردن مروڑی ہوئی مرغی نہ کھاوے اور اس کو حرام سمجھے تو چشم ما روشن۔ دوسری رکابی کا کھانا نوش فرماوے۔ ہم اس کو محتاط کہیں گے اور اس کے فعل کو اولیٰ سمجھیں گے۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانے میں یہ ضروری نہیں کہ جو چیز سامنے آئے خواہ مخواہ اس کو کھا ہی لے، پس ایسی حالت میں اس مسئلے میں زیادہ بحث کرنی کچھ بھی ضروری نہیں ہے، مگر جو کہ یہ بات کہی جاتی ہے کہ میں نے ایک حکم خاص منصوص قرآنی کے برخلاف کیا اور کہا۔ اس لیے صرف اسی قدر لکھنا اور اسی بات کی تحقیق کرنا کہ پرند مختنقہ کی حرمت بموجب آیت مستدلہ کے منصوص قرآنی ہے یا نہیں، کافی اور وافی ہوگا۔"

(مکتوبات سر سید، صفحہ 179/178)

کسی فقہی مسئلے میں انفرادی رائے کے اظہار اور اس میں غلطی کے امکان کے سیاق میں سر سید کا یہ اپروچ بہت موزوں اور قابلِ تقلید ہے۔ اس کا اطلاق ان تمام نئے مسائل میں کیا جا سکتا ہے جن سے متعلق علماء اپنی انفرادی رائے پیش کرتے ہیں یا قیاس کے ذریعے انفرادی اجتہاد کی راہ اپناتے ہیں اور باہم مختلف الرائے کا سامنے آنا کوئی معیوب و غلط بات نہیں ہے لیکن اپنی اجتہادی رائے کی صحت پر اصرار کرنا اور دوسرے کی رائے کو بالکلیہ غلط قرار دینا اور اس کی مذمت و مخالفت کرنا صحیح نہیں ہے۔ مختلف مسائل میں اپنی اجتہادی فکر پیش کرتے ہوئے سر سید نے اس سوچ کو تبدیل کرنے کی کوشش کی ہے اور علماء سے اس کے لیے قولی و فعلی اپیل بھی کی ہے۔ یہ خود سر سید کی ایک بہت بڑی خدمت ہے جس کی نظیر ماضی قریب میں نہیں ملتی۔ (بشکریہ راشٹریہ سہارا، 17 / اکتوبر 2002)

قومی اردو کونسل نے نہ صرف حوالہ جاتی بلکہ اعلیٰ درجات کی ضرورتوں کے مطابق درسی کتابیں بھی شائع کی ہیں۔

طلبہ کے لیے خصوصی رعایت

پتا: قومی اردو کونسل برائے فروغ اردو زبان
ویسٹ بلاک۔1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

غلام یحییٰ انجم

عربی و فارسی بورڈ اترپردیش کا جدید نصاب

وحی الٰہی کی ابتدا اقراء سے ہوئی اور اقراء وربك الاكرم الذي علم بالقلم علم الانسان مالم يعلم کے ذریعے اللہ رب العزت نے لکھنے اور پڑھنے پر زور دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبِ اسلام میں تعلیم کی بڑی اہمیت ہے۔

اسلام کا دائرہ جوں جوں وسیع ہوتا رہا اور صحابہ کرام کے ذریعے جب اسلام حدودِ عرب سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پہنچا تو وہاں صحابہ کرام نے دیگر سماجی امور کے ساتھ تعلیم کے فروغ کے لیے بھی کام کیا۔ مسلم سلاطین نے بھی انھی حضرات کے نقشِ قدم پر چل کر تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کے لیے مساجد کے صحن کے علاوہ مدارس کی الگ سے عمارتیں بنوائیں، مروجہ علوم کا درس دینے کے لیے اہم اساتذہ کا انتخاب کیا اور طلبہ کے لیے مفت تعلیم کی فراہمی کے علاوہ وظائف کے بھی انتظامات کیے۔

ماوراءالنہر اور عراق سے منتقل ہونے والے علما نے مسلم سلاطین کے ایما پر سندھ اور ملتان میں مدارس قائم کیے۔ اس کے بعد لاہور اور دہلی میں اسلامی علوم کی شمع روشن ہوئی۔ پھر مسلم سلاطین کی سرپرستی میں دیکھتے دیکھتے یہ سلسلہ پورے برِصغیر میں پھیل گیا اور ایسے بڑے بڑے مدرسے قائم ہوئے جہاں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ بیک وقت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ مدارس کے نصاب میں زمانہ اور ماحول کے اعتبار سے ترمیم ہوتی رہی اور جس زمانے میں جس فن کا زور رہا طلبہ کا زیادہ انہماک اسی فن کی تحصیل کی طرف رہا۔

آج بھی دینی مدارس کا جال پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے جن میں ابتدائی درجات سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک کا بندوبست ہے۔ بہ حالاتِ موجودہ اردو زبان کی بقا اور تحفظ بھی بڑی حد تک انھی مدارس سے وابستہ ہے۔ ان مدارس میں صرف ہندستان ہی کے نہیں بلکہ بیرونی ممالک کے طلبہ بھی دینی علوم کی تحصیل میں سرگرمِ عمل ہیں۔ دینی مدارس میں آج کل جو نصاب رائج ہے وہ ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی (م 1748) کا بنایا ہوا ہے۔ اسی لیے اسے "درسِ نظامی" کہا جاتا ہے۔

بیسویں صدی کے دوسرے دہے میں یوپی میں انسپکٹر آف اسکولس کی جگہ قائم ہوئی اور اس کی مدد کے لیے پانچ ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس بھی مقرر کیے گئے۔ اس عہدے کے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ مدارس کی اصلاح کے نام پر بھی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس کمیٹی نے سرکاری سرپرستی میں مدارسِ عربیہ کی تنظیم اور نگہداشت کے لیے ایک اسامی تجویز کی — انسپکٹر آف مدارس عربیہ اترپردیش، جس پر پہلا تقرر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا ہوا مگر پریشانی یہ تھی کہ وہ جرمنی میں تھے اور نظربند تھے۔ پھر دوسرا تقرر منشی احترام علی کاکوروی کی کوششوں سے ان کے بھانجے ضیاءالحسن علوی کا ہوا۔ موصوف ندوے سے فاضل اور علی گڑھ سے ایم اے تھے۔ انھوں نے اس عہدے کو بڑی تن دہی سے سنبھالا اور 1921 میں مزید نظم و ضبط پیدا کرنے کے لیے عربی و فارسی امتحانات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس نظام میں دو امتحانات فارسی میں منشی اور کامل اور تین عربی میں مولوی، عالم اور فاضل مقرر ہوئے۔ فاضل کے امتحان میں تین شعبے تھے ادب، دینیات، اور طب۔

آج کل عربی و فارسی بورڈ سے ملحق مدارس میں مولانا شبیر احمد خاں غوری کا ترتیب دیا ہوا نصاب رائج ہے۔ غوری صاحب عربی و فارسی کے استاد اور دینیات کے ماہر تھے۔ وہ تقریباً اکیس سال اس عہدے پر مامور رہے۔ 30/ اگست 1966 کو سبکدوش ہوئے۔ ان کے بعد متعدد لوگوں کو اس عہدے سے سرفراز کیا جاتا رہا۔ اس بورڈ کا مرکزی دفتر پہلے الٰہ آباد میں تھا اور صوبائی وزارتِ تعلیم کے ماتحت تھا۔ آج کل اس کا مرکزی دفتر اندرا بھون لکھنؤ میں ہے اور محکمۂ اقلیتی فلاح و بہبود کی زیرِ نگرانی کام کر رہا ہے۔

بیسویں صدی ختم ہوتے ہوتے محکمۂ اقلیتی فلاح و بہبود کو مدارسِ عربیہ کا قدیم نصاب بدلنے کی فکر لاحق ہوئی اور دینی مدارس کی ترقی اور انھیں عصرِ حاضر کے دوش بدوش کرنے کے لیے اس نے کئی اہم قدم اٹھائے۔ دینی مدارس میں طلبہ کے لیے وظیفے کی اسکیم نافذ کی گئی اور مولوی، منشی اور عالم کی اسناد کو ہائی اسکول اور انٹر کا درجہ دے کر سرکاری ملازمتوں کی سہولیات فراہم کی گئیں۔ عالم، کامل اور فاضل کی سندوں کی بنیاد پر صوبائی جامعات میں داخلے کے لیے احکامات صادر کیے گئے۔ درج بالا مراعات کے پیشِ نظر ضرورت محسوس ہوئی کہ دینی مدارس کے قدیم نصاب کو عہدِ حاضر کی روشنی میں از سرِ نو مرتب کیا جائے تاکہ دینی مدارس سے فارغ شدگان اپنے آپ کو عصری جامعات کے بالمقابل کسی طرح کمتر نہ محسوس کریں اور ملک و ملت کی تعمیر و ترقی میں دوسرے برادرانِ وطن کی طرح نفع بخش افراد بن کر کلیدی کردار ادا کر سکیں۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر وزارتِ اقلیتی فلاح و بہبود (حکومت اترپردیش) کی جانب سے آرڈر نمبر K 1017

95 102 14-2000 3 52 مورخہ 11.5.2000 کے تحت امتحانات عربی و فارسی بورڈ اتر پردیش کے درجاتِ عالیہ کو، جن میں مولوی، عالم، کامل اور فاضل کے اہم امتحانات شامل ہیں اور جن کا نصاب نصف صدی پیشتر کا تیار کردہ ہے، عصر حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں از سر نو مرتب کرنے کی ذمے داری جامعہ ہمدرد کو تفویض کی گئی۔ جامعہ ہمدرد نے اس اہم کام کے لیے راقم السطور کا انتخاب کیا۔ میں نے نصاب سازی کا کام اہم دینی مدارس کے علما، یونی ورسٹیوں کے سینئر اساتذہ، عصری تعلیمی مراکز کے ذمے داران سے باہم گفت و شنید، تبادلہ خیال اور مراسلات کے ذریعے انجام دیا۔ نصاب کو آخری شکل دینے کے لیے لکھنؤ اور دہلی میں دو ورکشاپ بھی کیے گئے جن میں دینی مدارس کے علما اور عصری جامعات کے اساتذہ، تعلیمی مراکز کے ذمے داران نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ نصاب میں جن کتابوں کو تدریس کے لیے منتخب کیا گیا ان کی تحدید بھی کی۔ برائے تحدید کتابوں کی خریداری بھی کی گئی اور بعض کتابوں کی فراہمی کے لیے میں نے اتر پردیش کے اہم دینی مدارس کا سفر بھی کیا۔ نصاب سازی کے تعلق سے تمام اخراجات جامعہ ہمدرد نے برداشت کیے۔ اس نصاب کی کچھ خصوصیات جن پر قارئین کی توجہ مبذول کرانی ضروری ہے، وہ یہ ہیں:

1- یہ نصاب سنی اور شیعہ تمام طلبہ کے لیے ہے۔ دینیات کے مضامین کے علاوہ باقی تمام مضامین سب کے لیے یکساں ہیں۔

2- یہ نصاب درجاتِ عالیہ کا ہے جس میں مولوی، عالم، کامل اور فاضل کے امتحانات شامل ہیں۔

3- یہ نصاب درجاتِ فوقانیہ کے بعد پڑھایا جائے گا اور مکمل نو سال اس کی تدریس ہوگی۔ اس طرح معیار اور وقت کے لحاظ سے دینی مدارس کے طلبہ کسی طرح عصری جامعات سے ایم اے کی سند حاصل کرنے والے طلبہ سے کم نہ ہوں گے۔

4- مولوی کے امتحان میں اردو، فارسی، جنرل ہندی اور حساب کے مضامین کا اضافہ لازمی مضمون کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور ایسا عصری تقاضوں کے پیش نظر کیا گیا ہے۔

5- عالم کے امتحان میں بحیثیت لازمی مضمون، فارسی اور جنرل انگلش کا اضافہ کیا گیا ہے۔

6- کامل کا امتحان جو صرف فارسی زبان میں دو سال کا ہوا کرتا تھا، اب عربی و فارسی دونوں زبانوں میں تین سال کا کر دیا گیا ہے۔

7- امتحاناتِ فاضل میں فاضل ادب (فارسی) کا اضافہ کیا گیا ہے۔

8- اختیاری مضامین میں ان علوم کو جگہ دی گئی ہے جن کی تعلیم عصر حاضر میں انتہائی مفید اور نفع بخش ہے۔

9- نصاب سازی میں دینی مدارس کی مناسبت سے دینی تعلیم کی حیثیت نہ صرف پہلے کی طرح برقرار رکھی گئی ہے بلکہ ہر امتحان میں دینی علوم کو لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے جب کہ قدیم نصاب میں ایسا نہیں تھا۔

10- فاضل کے امتحان میں تحقیقی مطالعے کا باضابطہ ایک پرچہ رکھا گیا ہے جس میں تحریری امتحان کے علاوہ مقررہ شخصیت کے کسی بھی پہلو پر پچاس صفحات پر مشتمل عربی / فارسی / اردو زبان میں مقالہ تحریر کرایا جائے گا۔

11- مولوی کے قدیم نصاب میں کل مضامین 3 اور کل پرچے 7 تھے۔ نئے نصاب میں مضامین کی تعداد 7 اور پرچوں کی تعداد 11 کر دی گئی ہے۔

12- عالم کے قدیم نصاب میں کل مضامین کی تعداد 3 اور پرچوں کی تعداد 7 تھی۔ نئے نصاب میں مضامین کی تعداد 7 اور کل پرچے 10 کر دیے گئے ہیں۔

13- کامل کے قدیم نصاب میں کل مضامین 3 اور کل پرچے 7 تھے۔ جدید نصاب میں کامل کو بی اے کے مساوی کرنے کے لیے 3 سال کا کر دیا گیا ہے۔ یہ امتحان اب عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہوا کرے گا۔ اس امتحان میں کل مضامین 4 اور کل پرچے 16 ہوں گے۔

14- فاضل کے تمام امتحانات میں قدیم نصاب کے مطابق 6 پرچے ہوا کرتے تھے۔ اب جدید نصاب میں ایم اے کی مناسبت سے ان کی تعداد 8 کر دی گئی ہے، جن میں ایک پرچہ تحقیقی مطالعے کا بھی شامل ہے۔

جدید نصاب کی روشنی میں امتحانات عربی و فارسی بورڈ اتر پردیش کے تعلیمی مدارج اس طرح ہوں گے:

ابتدائی درجات از اول تا پنجم (مدتِ تعلیم 5 سال)

درجاتِ فوقانیہ از ششم تا ہشتم (مدتِ تعلیم 3 سال)

درجاتِ عالیہ از مولوی 2 سال تا عالم 2 سال (مدتِ تعلیم 4 سال)

درجاتِ علیا از کامل 3 سال تا فاضل 2 سال (مدتِ تعلیم 5 سال)

16- جدید نصاب کی روشنی میں درجاتِ عالیہ سے مراد مولوی، عالم اور درجاتِ علیا سے مراد کامل اور فاضل کے امتحانات ہوں گے۔

یہ مختصر خاکہ ہے۔ نصاب سے متعلق تفصیلی معلومات کے لیے تفصیلی نصاب کا مطالعہ ضروری ہوگا۔

□□□

A-1 Block, Hamdard Flats, Pul Pehladpur,
New Delhi-110044

ارجمند آرا

عورتوں کے تئیں سماجی رویّے

جرائم کے خصوصی حوالے سے

میرے سامنے ہیں 21/اگست کے دلی کے دو اہم روزنامے اور خبریں ہیں تین — چار برس کی ننھی سی مینا، 32 برس کی کام کاجی خاتون سریتا اور 85 سال کی ایک بوڑھی عورت کے بارے میں۔ موضوع ہے آبروریزی — ایک ایسا جرم جو ایک خاص ذہنیت کا متبادل بن گیا ہے۔ جائے حادثہ؟ اگر اس سے کچھ فرق پڑتا ہو یا عورتوں کے مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہو تو بتائی جاسکتی ہے کہ یہ دلی شہر کے تین مختلف علاقے ہیں۔ چار سالہ مینا کی سمجھ میں شاید زندگی بھر یہ بات نہیں آئے گی کہ بچپن میں آخر اس کے ساتھ ایسا کیا ہوا تھا کہ لوگ اس کی جانب عجیب و غریب نظروں سے دیکھتے ہیں جن میں ہمدردی تو شامل ہو سکتی ہے، عزت نہیں (حالانکہ وہ تو بیدی کی "لاجونتی" بھی نہیں ہے)۔ اور بھلا سنگم وہار کی بوڑھی عورت کے کون سے برے کاموں کا ثمر ہے کہ اس کے 85 سالہ نحیف و نزار جسم کو اپنے ہی پوتے کے دوست 19 سالہ مہیش کی ہوس کا نشانہ بننا پڑا؟ ان دلدوز خبروں کو پڑھ کر کسے حیرت ہوگی سریتا کی تباہ حالی پر جسے کچھ غنڈے مہرولی بدرپور روڈ سے اٹھا کر لے گئے اور چلتی ہوئی ماروتی کار کے اندر اس کی عصمت خاک میں ملا دی۔ اس کے باوجود بھی ایف آئی آر درج کرانے کے لیے اسے ایک تھانے سے دوسرے تھانے میں فٹ بال کی مانند لڑھکایا جاتا رہا جہاں اسے اپنی تذلیل کی کہانی بار بار دوہرانی پڑی۔ اسی ذہنیت کی عکاسی دہلی یونیورسٹی کے کیمپس میں اپنے عروج کو پہنچتی ہے، شیکسپیئر کے اُس اسٹیج پر جہاں ہم سب صرف اداکار ہیں۔ یہاں قانون کی طالبہ کے ساتھ پیش آنے والا آبروریزی کا واقعہ عورتوں کے تئیں سماجی رویوں کا بھرپور عکاس ہے۔

یہ سارے حادثات دلی میں پیش آئے — دل والوں کی دلی میں، ہندستان کے دل میں! ویسے زمان و مکاں اور کرداروں کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس ڈرامے میں؛ جائے وقوعہ بھی کچھ بھی ہو سکتی ہے — شہر بھی، دیہات بھی، عروس البلاد بھی۔ وقت اور تاریخ کا بھی کوئی اختصاص نہیں — اکیس اگست ضروری نہیں۔ یہ 15/اگست بھی ہو سکتا ہے، 26/جنوری بھی یا 2/اکتوبر بھی؛ ہولی، دیوالی، بدھ پورنیما، جنماشٹمی، عید کا تہوار یا رمضان کا مہینہ بھی۔ کردار بھی کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے — یہ ادنیٰ و اعلیٰ طبقے، پڑھے بے پڑھے، نوجوان بوڑھے، بارزگار و بے روزگار، افسر یا کلرک کوئی بھی ہو سکتے ہیں۔ آخر ذہنیت تو ایک ہی ہے جو ایک مخصوص سماجی پس منظر میں پلی ہے۔ تعلیم نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا اور معاشی آسودہ حالی تو اس ذہنیت کے بلوغ میں کافی اثر آفریں کردار نبھا سکتی ہے، بس سماجی رتبے اور طبقاتی فرق سے اس ذہنیت کے بازار بھاؤ میں کچھ فرق پڑ جاتا ہے۔ جب کردار ایک ہی طرح کا نبھانا ہے تو پھر چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر تجسس کیوں؟

اور ویسے دیکھا جائے تو ان خبروں کی بھی کوئی اہمیت نہیں ہے کیوں کہ ناشتے کی میز پر آملیٹ سلائس کے ساتھ گرما گرم چائے پیتے ہوئے آپ کی نظریں ان پر سے تو روٹین میں ہر روز ہی پھسل جاتی ہیں اور پھر ایڈیٹوریل پیج پر ایک غلط انداز نظر ڈالتی ہوئی "سٹی ایڈیشن" پر جا ٹھہرتی ہیں جس کے رنگین صفحوں پر کسی فیشن شو کی ماڈل اپنے عریاں جسم کی جھلک دکھاتی ہوئی کشش کا باعث بنی ہوئی ہے۔ یا پھر ہالی ووڈ کی کسی مشہور ہیروئن کا چونکانے والا ایسا باغیانہ بیان چھپا ہے جس میں سماج کے سڑے گلے بندھنوں کو توڑنے کی خواہش "سیکس کی آزادی" کے ذہنی دیوالیہ پن سے آگے نہیں بڑھتی۔ آپ بھی تصویروں اور 'ماڈرن' بیانوں کا مزہ لیتے ہوئے اپنی پست اور محدود ذہنیت کو تسکین دیتے ہوئے دفتر جانے کے لیے اٹھ جاتے ہیں۔ دفتر کے معمولات میں آپ کو ایک بار بھی خیال نہیں آتا کہ آج کتنی دنیائیں لٹ گئیں، کتنے گھر اجڑ گئے۔ ایک اچھا سا دن گزار کر، اپنی رفیقِ کار، اپنی سکریٹری سے ہنسی دل لگی کے بعد ایک اچھی سی شام اپنے دوستوں اور بیوی بچوں کے ساتھ گزارنے کے لیے جب آپ شام کو گھر لوٹتے ہیں تو اُس ڈرامے کا پردہ گر چکا ہوتا ہے جس کی ایک جھلک آپ نے صبح ناشتے کی میز پر اخبار کے صفحوں پر دیکھی تھی۔ دوسرے دن پھر نیا ڈراما ہوگا، نئے کردار نئے زمان و مکان میں پرانی کہانی

● یہ مضمون جولائی تا ستمبر 2002 کے دوران پیش آنے والے انسانیت سوز واقعات کے پیشِ نظر تحریر کیا گیا ہے۔ واقعات صرف چند مہینوں کو محیط ہیں لیکن ان کی صداقت صدیوں سے برقرار ہے۔ یہ سوال غور طلب ہے کہ کیا تبدیلی کے کوئی آثار نظر آتے ہیں؟

دوہرائیں گے اور حکایت یوں ہی دراز ہوتی چلی جائے گی۔ اس داستان میں نہ کوئی شہرزاد ہے، نہ دنیازاد۔ اس میں تو ایک شہرزاد کو ہر روز قتل ہونا ہے۔ اس کی زندگی میں ایک ہزار ایک راتیں کبھی نہیں آئیں گی۔

دتی، ممبئی جیسا عظیم لوگوں کا کوئی عظیم شہر ہو یا پھر چھتیس گڑھ کے دور دراز علاقے میں بسا آدی باسیوں کا پنڈاری پانی گاؤں؛ آندھرا پردیش کے رنگاریڈی ضلع کا سبحان پور گاؤں ہو یا مدھیہ پردیش کا پٹنہ تمولی یا پھر پاکستان کے مظفر گڑھ ضلع کا میروال گاؤں— عورتوں پر مظالم کی کہانی کچھ زیادہ الگ نہیں ہے۔ مظالم کی ہدف کام کاجی پروفیشنل عورت سے لے کر، یونی ورسٹی کی ذہین طالبہ، ذہنی عدم توازن کی شکار نابالغ لڑکی، گھر میں بیٹھی پوری طرح سے محفوظ بوڑھی عورت، اسکول جاتی ننھی سی بچی یا پالنے میں پڑی ڈیڑھ دو سال کی منی سی جان— کوئی بھی ہو سکتی ہے، بس اس کا مونث ہونا کافی ہے۔ آپ کو حیرت تو نہیں ہو رہی ہے یہ سب پڑھ کر؟ دیوانی کی بڑ معلوم ہو رہی ہے؟ نہیں جناب یہ بکواس نہیں ہے۔ یہ کولاج (Collage) تو اخباروں کے صفحوں کو تراش کر تیار کیا گیا ہے۔

ممبئی کے چرچ گیٹ اور بوریولی کے بیچ چلتی ریل گاڑی میں ایک 12-13 سال کی لڑکی کو، جس کا ذہنی توازن درست نہیں تھا (اس سماج میں درست رہے بھی تو کیوں کر؟)، جب ایک غنڈے نے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا تو اس ڈبے میں "ویر جوانوں کے دیش" کے پانچ پانچ سپوت خاموش تماشائی تھے۔ ایک غنڈے سے پانچ مہذب شہری ڈر گئے (اس نے دھمکی دی تھی ڈبے سے باہر پھینکنے کی) اور گھناؤنے جرم کی طرف سے نظریں پھیر لیں— بالکل ایسے ہی جیسے سڑک پر حادثے کا شکار ہونے والوں کے برابر سے ہم اپنی کار دوڑاتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ ٹرین میں انسانیت کی اس آبروریزی کو ان دیکھا کرنے والوں میں ہندستان کے سب سے بڑے انگریزی روزنامے کا رپورٹر بھی شامل تھا۔ اس کی پروفیشنل ایتھکس (Ethics) نے زور مارا تو ایک رپٹ اخبار کو بھیج دی اور اس بوجھ سے نجات حاصل کرلی جو اس انسانیت سوز جرم کو دیکھ کر اس کی روح پر ان چاہے ہی آ پڑا تھا۔

ہمارے بڑے شہروں میں ہر روز پیش آنے والے روزمرہ کے ان حادثوں میں آپ جن لوگوں کو ملوث پائیں گے، ذرا ایک نظر ان کے سماجی پس منظر پر بھی ڈالتے چلیں۔ دہلی یونی ورسٹی کے نارتھ کیمپس میں قانون کی ایک طالبہ کی اجتماعی عصمت دری کی خبر جب پہلی اگست 2002 کے اخباروں میں چھپی تو اس کے بعد میڈیا کا سارا فوکس ہی گویا اس مسئلے کے تمام تر پہلوؤں کو سامنے لانے پر ہو گیا۔ اس حادثے کے پانچ دن بعد دہلی یونی ورسٹی کیمپس ہی سے سماج کے ایک رکھوالے یعنی ایک پولیس والے کو گرفتار کیا گیا جس نے اپنی 'فرض شناسی' کے ثبوت کے طور پر 'سوشل ورک' کی ایک طالبہ کے ساتھ چھیڑ خانی کی تھی۔ پانچ دن پہلے ایک طالبہ کا جو گینگ ریپ ہوا تھا، اس کے نتیجے میں کیمپس میں حفاظتی انتظامات بڑھائے گئے تھے اور اسی 'حفاظت' کو بہم پہنچانے کے لیے پولیس والا بھی اپنی مخصوص ذہنیت کا مظاہرہ کرنے سے نہیں چوکا۔ اگلے ہی ہفتے یعنی 8/اگست 2002 کے دہلی کے اخبار بتاتے ہیں کہ ان دونوں حادثوں سے بھی پہلے 29/جولائی کو ایک آٹو رکشہ میں سفر کرتی دو عورتوں کو چار غنڈوں نے زبردستی روک لیا، ان میں سے ایک عورت کو اپنی انڈیکا کار میں ڈالا اور فرار ہو گئے۔ دیدہ دلیری یہ بھی کی کہ مغویہ کے موبائل فون سے انھوں نے اپنے دوستوں کو فون کیا کہ کالے شیشوں والی زیادہ بڑی گاڑی 'کوالس' لے کر آجائیں۔ اس طرح دو نئے لوگ بھی شامل ہوئے اور ساؤتھ دلی کی سڑکوں پر کوالس دوڑتی رہی اور اندر درندے حیوانیت کو شرمندہ کرتے رہے۔ جب دل بھر گیا، شکار کو افریقہ ایونیو پر پھینک دیا۔ یہ درندے کسی ٹیکسی سروس کے لیے کام کرنے والے ڈرائیور تھے۔

دلی یونی ورسٹی کے اجتماعی آبروریزی والے حادثے کے بعد رکشک (محافظ) کے بھکشک (ہڑپ کرنے والا درندہ) بن جانے کا واقعہ اوپر بیان ہوا ہے لیکن محافظ ہی شکار بھی بنے اس کی مثال بھی ہاتھوں ہاتھ سامنے آگئی۔ دہلی یونی ورسٹی کیمپس میں پولیس خواتین کو بھی تعینات کیا گیا تھا۔ اس بار شکار بنا پڑا اسی محافظ دستے کی ایک خاتون کو اور شکاری تھا ایسا سفید پوش جس کو ہمارے سماج نے زمانہ قدیم ہی سے عزت و توقیر کے سب سے اونچے منبر پر کھڑا کر رکھا ہے اور جس کو خدا کے بعد انسانیت کے سب سے بڑے علمبردار کے روپ میں تقریباً پیغمبروں جیسا رتبہ دیا جاتا ہے— یعنی بھارتیہ سماج کی مہان پرمپرا کے سب سے اونچے شِکھر پر آسین "گرودیو"۔ انھوں نے اپنے اندر چھپے شیطان کو اب کلاس روم سے بھی باہر نکالنا شروع کر دیا ہے۔ دلی یونی ورسٹی کے فزکس کے شعبے میں ریسرچ ایسوسی ایٹ، سوامی پرساد سنگھ کی گرفتاری 21/اگست 2002 کو عمل میں آئی تھی۔ اس دن اسی کیمپس میں عورتوں کے ساتھ بدسلوکی اور چھیڑ چھاڑ کے دو حادثے رپورٹ ہوئے تھے۔

جے این یو کیمپس (دہلی) جس کو عورتوں کے لیے شاید سب سے زیادہ محفوظ مقام سمجھا جاتا ہے، واقعتاً کتنا محفوظ ہے، اس کی خبریں بھی آئے دن اخباروں کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ گذشتہ جولائی کے آخری ہفتے کے اخباروں میں خبر چھپی کہ اسکول آف لینگویجز (زبانوں کا اسکول) کے ایک استاد کے خلاف ایک غیر ملکی طالبہ نے اپنی شکایت جی ایس کیش (Gender Sensitization Committee Against Sexual

Harrassment میں جو جنسی اذیت رسانی کے تئیں معاشرے کو حساس بنانے کے لیے سپریم کورٹ کی ہدایت پر قائم کردہ ادارہ ہے) درج کرائی تھی۔ اس معاملے میں مظلوم تو مظلوم، اس کی طرف سے گرودیو کے کارناموں کے خلاف گواہی پیش کرنے والی ایک لڑکی کو بھی اتنا ستایا گیا کہ وہ بھی اپنی شکایت لے کر جی ایس کیش کے سامنے جا پہنچی۔ اس تشویش ناک صورت حال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نسبتاً کم تعلیم یافتہ اور پس ماندہ سماج میں عورتوں کی آواز دبانے کے لیے کون کون سے ہتھکنڈے استعمال نہ کیے جاتے ہوں گے۔ وہ عورتیں جو مرد اساس معاشرے میں اپنے آپ کو دوسرے درجے کی مخلوق مان کر، اور اسی نفسیات کے ساتھ ساری عمر بسر کرتی ہیں، ان کے لیے ہر طرح کے مظالم برداشت کرنا کتنی عام بات ہو گی؟ اپنی جنسی اور ذہنی اذیت کی کہانی کیا وہ اپنے آپ کو سناتے ہوئے بھی نہ ڈرتی ہوں گی؟

اپنے گھر میں، رشتے داروں کے درمیان، دوستوں کے بیچ، دفتر میں کہیں بھی تو محفوظ نہیں ہے عورت — کسی بھی زمانے میں نہیں تھی — پڑھے لکھے مہذب سماج میں بھی نہیں ہے۔ لیڈی ہارڈنگ میڈیکل کالج، نئی دہلی کی ایک 23 سالہ طالبہ اپنے ایک مرد دوست کے ساتھ 27/ اگست کو فلم دیکھنے جاتی ہے، واپسی میں دوست اسے چائے پلانے کے بہانے اپنے گھر لے جاتا ہے اور انجام کے طور پر وہ ہمیشہ کے لیے اپنے سینے پر ایک زخم لیے واپس لوٹتی ہے۔ جنسی اذیت کے علاوہ اسے اعتماد شکنی کی ذہنی اذیت بھی ملی ہے۔ اگر دوست بھی یہ کر سکتا ہے تو پھر طاقت کے نشے میں چور اُس ایڈیشنل پولیس افسر آر۔ کے۔ شرما (شِوانی قتل کیس والا نہیں) کو کون روک سکتا ہے اپنی طاقت، بہادری اور مردانگی کے اظہار سے جو اپنے نوکر کو کسی کام سے بازار بھیج کر اس کی بیوی پر حاوی ہو جاتا ہے؟ اتنے گھناؤنے جرم کے تئیں پولیس والے اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ ایسے جرائم کو وہ کچھ اہمیت ہی نہیں دیتے۔ وہ خود آبروریزی کریں یا کوئی عادی مجرم، ایسے واقعات کو سنجیدگی سے لینا ضروری نہیں سمجھتے۔ پانچویں درجے کی طالبہ کو اغوا کر کے لے جانے والے افروز نے جولائی کے تیسرے ہفتے میں اس بچی کی کئی مرتبہ آبروریزی کی۔ بچی کے برآمد ہونے اور مجرم کی گرفتاری کے باوجود پولیس نے صرف اغوا کا کیس درج کیا، حالانکہ بچی نے اور اس کے والد نے سچائی بتا کر انصاف کی دہائی دی تھی۔ نتیجتاً مجرم ضمانت پر رہا ہو گیا — نئے شکار کی تلاش میں۔

ان سارے واقعات (حادثے نہیں ہیں یہ) کا حوالہ دینے اور ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت اس لیے آ پڑی کہ قارئین مسئلے کی سنگینی پر ایک بار پھر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ کس کس طبقے کے لوگ، کن کن عہدوں پر فائز مہذب شہری، کتنی ذمے داری سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ عورتوں کے تئیں ان کے نظریات و احساسات کتنے مکروہ، کتنے پست، کتنے تنگ اور کتنے وحشیانہ ہیں اور ہم سب — آپ اور میں — کتنے بے حس ہیں! ان سب واقعات میں سے بیش تر میں سماج کے مہذب سفید پوشوں کے اندر چھپا درندہ سامنے آیا ہے، معاملہ سامنے آنے پر سماج نے مجرم کو مجرم کے روپ میں دیکھا بھی ہے، لیکن کتنے فی صد معاملے ہیں جن کا پردہ فاش ہوتا ہے؟ کون جانے "صنف نازک" یعنی دوسرے درجے کی جنس کو کس لمحے میں، کس مہربان کے ہاتھوں اپنی "نزاکت" کی سزا بھگتنی پڑے؟ خوف کی نفسیات کے سائے میں جینے کی عادی یہ صنفِ نازک ایک بے حس معاشرے کی بے حس جنس بن کر رہ گئی ہے جو صدیوں سے ایک ہی طرح کے ظلم برداشت کرتی آ رہی ہے۔

ایک مجرم ذہنیت کا اتفاقی شکار ہو جانے کو جہاں بے راہ روی کے مظہر کے طور پر صرف کچھ لوگوں کا جرم کہہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور مسئلے پر آگے غور و فکر نہیں کیا جاتا، ایسا سوچنے والوں کی فکر کا دوسرا پہلو بھی پیش ہے — اور یہ سنگین پہلو منظم جرم (Organized Crime) سے تعلق رکھتا ہے۔ اس پہلو کو سماج کے اربابِ اختیار کے پنچوں سرپنچوں کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی ایسی سیکڑوں مثالیں ہر قصبے، دیہات، ضلع، بلاک اور چھوٹے بڑے شہر میں مل جائیں گی جو ہر روز ہی وقوع پذیر ہوتی ہیں لیکن ان میں سے اکثر رپورٹ نہیں ہوتیں۔ عورت کے سوال پر ہمارا سارا سماج — تعلیم یافتہ یا ناخواندہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے نکلتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح سیاست میں مجرموں کے داخلے پر پابندی عائد کرنے کے لیے اصلاحات کے سوال پر سپریم کورٹ کے حکم اور الیکشن کمیشن کے اقدامات کے خلاف، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تمام دائیں، بائیں بازو والے اور درمیان کی سیاست کرنے والے، سب کے سب ایک ہی حمام میں جا کھڑے ہوئے تھے، اپنی تنخواہیں بڑھوانے کے لیے پارلیمان کے تمام اراکین ایک ہی سُر میں بولنے لگے تھے۔ عورتوں کے ریزرویشن کے نام پر دلتوں اور اقلیتوں کے اعلانچیوں سے لے کر فیوڈل ذہنیت رکھنے والوں تک، سارے کے سارے لوگ نعرے بازی کے سوا کچھ نہیں کرتے، بالکل اسی طرح عورتوں کے جنسی استحصال پر نعرے بازی تو خوب ہوتی ہے، اقدامات کچھ نہیں۔ مہان بھارتیہ پرمپرا کے نام پر روپ کنور کے جلائے جانے کو 'ستی' کہہ کر جائز ٹھہرا لیا جاتا ہے، پھر اس کا مندر بنایا جاتا ہے اور یہ پیغام عام کیا جاتا ہے کہ اپنی بیٹیوں، بہوؤں اور ماؤں کو جلاؤ تو تمھارے خاندان کا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تاریخ کے صفحوں پر سنہرے الفاظ میں درج ہو جائے گا۔ منظم جرم کی اس سے بہتر مثال

اور کیا ہوگی جس میں لاکھوں کی تعداد میں بھکت بھی مل جاتے ہیں؟

7/اگست کے اخباروں نے جب پٹنہ تمولی (مدھیہ پردیش کے پنا ضلع کے) گاؤں میں کٹوبائی کے ستی ہونے کی خبر اس کی چتا اور ہزاروں تماشابینوں کی رنگین تصویروں کے ساتھ چھاپی تو یہ اندازہ بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے کہ اس مجرمانہ فعل کی خبر تمام علاقے کے لوگوں کو تھی، پولیس اور میڈیا کو تھی۔ شوہر کی لاش کے ساتھ آگ میں جل کر زندہ عورت کے ستی ہونے پر علاقے کی پولیس کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا، اسی لیے تو فرض شناس افسروں نے قانونی خانہ پُری کے لیے حادثے کی روک تھام کے لیے صرف دو پولیسیے بھیج کر فرضِ کفایہ ادا کردیا۔ ہزاروں کی بھیڑ کو دو پولیس والے اپنے ڈنڈوں کی مدد سے کیسے روک سکتے تھے بھلا؟ کیا تعجب انھوں نے بھی ستی ماتا کی چتا کے آگے شردھا کے ساتھ اپنا مستک نوادیا ہو!؟ کاغذی کارروائی کر کے پولیس نے عدالت کے سامنے اپنی فرض شناسی کا ثبوت پیش کرنے کی تیاری تو کر ہی لی تھی، پھر ڈر کاہے کا۔

ستی جیسے واقعات کو لوگوں کے ذاتی فیصلے کا نام دے کر نظر انداز کردینا معمول کی بات ہو سکتی ہے لیکن ان فیصلوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا جو انصاف کے نام پر ہمارے مہذب معاشرے میں آئے دن صادر فرمائے جاتے ہیں۔ آندھرا پردیش، بہار، اڑیسہ، مدھیہ پردیش اور ہندستان کے بہت سے صوبوں میں خود پنچائتیں ایسے ایسے فیصلے کرتی ہیں کہ انسانیت کی روح کانپ اٹھے۔ یوپی کے مظفر نگر میں نوجوان لڑکے اور لڑکی کو ان کے گھر والوں کے سامنے ہی اس لیے پھانسی دے دی جاتی ہے کہ انھوں نے الگ الگ ذات برادری کے ہوتے ہوئے بھی محبت کرنے کی جسارت کی تھی، بیواؤں اور بوڑھی عورتوں کو پیڑ سے باندھ کر جلانے یا لاٹھیوں سے پیٹ پیٹ کر مار ڈالنے کی سزا اس لیے دی جاتی ہے کہ پنچوں اور گاؤں والوں کے خیال میں وہ ڈائنیں اور جادوگرنیاں ہیں اور ان کے خاتمے سے گاؤں کے کسی مخصوص خاندان پر پڑے بدنصیبی کے سایے ٹل جائیں گے، گاؤں میں سیلاب نہیں آئے گا، قحط نہیں پڑے گا، وبا نہیں پھیلے گی۔ جی ہاں، لاچار عورتوں کے ساتھ یہ انصاف صرف ہندستان کی سرحدوں تک ہی محدود نہیں ہے۔ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ ایسے جرائم کسی مخصوص معاشرے کی پیداوار تو نہیں ہیں، یہ تو ایک خاص ذہنیت کے عکاس ہیں جو صدیوں سے بدلی نہیں ہے۔

گذشتہ جولائی میں پاکستان میں مظفر گڑھ کے ایک گاؤں میر والا میں بھری پنچایت نے یہ فیصلہ سنایا کہ 19-18 سالہ مختارن بی بی کی اجتماعی آبروریزی اس لیے کی جائے کہ لوگوں کو شک تھا اس کے 14 سالہ بھائی نے دوسرے قبیلے کی ایک ادھیڑ خاتون کے ساتھ عشق کرنے کی جسارت کی ہے۔ بھری پنچایت میں مختارن بی بی اور اس کے والدین کو بلایا گیا، سزا سنائی گئی اور ہاتھ کے ہاتھ سزا دے بھی دی گئی۔ اسی مقام پر، ایک ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں جس کے باہر مختارن بی بی کے والدین اور ہزاروں تماشابین جمع تھے۔۔۔ تو اس ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے میں پانچ لوگوں نے، جن میں خیر سے پنچایت کا ایک رکن بھی شامل تھا، مختارن بی بی کی آبروریزی کی، اس کو اس کے بھائی کے ایسے جرم کی سزا دی جس کو ثابت بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مختارن بی بی رحم کی بھیک مانگتی رہی، دہائی دیتی رہی کہ میں آپ کے بچوں کو قرآن شریف پڑھاتی ہوں، اس کے طفیل میں مجھے چھوڑ دیا جائے لیکن پنچ پرمیشور، خدا کے خلیفہ، انصاف کا راستہ کیسے چھوڑ سکتے تھے؟ اس لیے انصاف کا بول بالا ہوا، مختارن بی بی انصاف، قانون اور اقدار کی بھینٹ چڑھ گئی۔ ایسے ہی آدرشوں کی بھینٹ تو چڑھی تھی پٹنہ تمولی کی کٹوبائی۔ اگر وہ شوہر کی چتا پر جلنے کے لیے مجبور نہ کی جاتی تو کاشی، بنارس کے گھاٹوں پر بھیج دی جاتی جہاں وہ بھکتوں کے آگے بھیک مانگتی یا پھر جسم بیچ کر گزارا کرتی۔ ہندو ودھوا (بیوہ) کا یہی دھرم ہے۔ اس کا دھرم یہ بھی ہے کہ وہ اپنی عصمت کی پاکی کے لیے ہر قدم پر اگنی پریکشا دے، شری رام چندر کی سیتا کی طرح یا اندور کی سنگیتا سوڈے کی طرح۔ سنگیتا کا جرم یہ تھا کہ وہ اپنی ایک سہیلی کے ساتھ ویشنو دیوی کے درشن کرنے چلی گئی تھی، وہ بھی اپنے پتی پرمیشور کی آگیا (اجازت) کے بغیر۔ واپسی پر اس کو شک کی نظر سے دیکھا گیا اور اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے سنگیتا نے لال بھبھوکا لوہے کی سلاخیں ہاتھ میں لے کر (جن پر چند پتے بندھے ہوئے تھے)، 300 لوگوں کے سامنے اپنی پاکدامنی کا ثبوت پیش کیا۔ یہ واقعہ بھی اکیسویں صدی کے دوسرے برس میں پیش آیا۔ کیا کبھی کوئی غور کرتا ہے کہ ہمارے سماج کے ہر خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد ایسا ضرور ہوتا ہے جو بغیر اطلاع کے گھر سے باہر یا شہر سے باہر جاتا ہے۔ ان میں سے کون اپنی بیویوں کے لیے اگنی پریکشا دیتا ہے؟ پھر سیتا اور سریتا ہی کو کیوں مجبور کیا جاتا ہے اپنی عفت کا امتحان دینے کے لیے؟ ست جگ سے کل جگ تک کہانی بدلی کیوں نہیں ہے؟ عورت ہی کیوں آج کے مہذب معاشرے کی منڈی میں کھیرے ککڑی کی طرح فروخت ہوتی ہے۔۔۔ کبھی غریبی کی مجبوری میں اور کبھی اس لیے کہ اس کے کردار کو مشکوک نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے چھتیس گڑھ کی کیسری مانڈوی کی کہانی کم ہی لوگوں نے پڑھی ہوگی۔ دسویں جماعت کی طالبہ کیسری مانڈوی کو پنچایت کے فیصلے کے مطابق 551 روپے میں بولی لگا کر صرف اس لیے بیچ دیا گیا کہ گاؤں والوں کو شک تھا کہ وہ بدکردار ہے، اس لیے اس کی نیلامی کر کے اس سے نجات حاصل کرلی جائے۔ معصوم ذہن اتنا بڑا زخم کیسے برداشت کرتا، سو اس نے اپنے خریدار کے گھر پہنچ کر اسی دن پھانسی پر لٹک کر جان دے دی۔

چھتیس گڑھ پولیس نے اسے صرف "حادثاتی موت" قرار دیا ہے۔

ایسے واقعات تو ایک پرامن سماج کے "عام حالات" میں پیش آتے ہیں— ایسے حالات میں جب "حالات پوری طرح قابو" میں ہوتے ہیں— جن میں پولیس، انتظامیہ، اور پنچایتوں نے ہر قدم پر اپنی فرض شناسی کا ثبوت پیش کیا ہوتا ہے۔ حال ہی میں دہلی کے پولیس کمشنر آر. ایس. گپتا نے بھی ہدایت نامہ جاری کر دیا ہے کہ عورتیں اپنے لباس وغیرہ کے تعلق سے احتیاط برتیں تاکہ ان کے خلاف جرائم کی شرح میں کمی واقع ہو جائے۔ بڑا معقول مشورہ ہے لیکن کیا ہی اچھا ہوتا ایسا ہی ایک مشورہ وہ مردوں کو بھی دیتے کہ اپنی مریضانہ ذہنیت کا علاج کرانے کے لیے وہ کسی ماہر نفسیات سے رجوع کریں، عورتوں کو جنس سمجھنا بند کریں۔ اگر دلّی کے پولیس کمشنر عورتوں کے سب سے بڑے مسئلے کے تئیں حساس ہوتے تو اس بات پر ضرور غور کرتے کہ 85 سال کی بوڑھی عورت اور چار سال کی مینا کے لباس کو کیا دخل ہے ان کی آبروریزی میں؟ مشرقی لباس زیب تن کرنے والی کام کاجی عورتیں سڑکوں پر سے اٹھالی جاتی ہیں، اس میں ان کے لباس کا کیا قصور ہے؟ کیرل کے کوزی کوڈے اسپتال میں 60 فی صد جلی ہوئی ڈیزی کے جسم اور لباس میں کون سی اشتعال انگیزی تھی کہ اسپتال کے وارڈ میں کام کرنے والے سبرامنیم کو ڈیزی کے کولھوں کے سڑے ہوئے زخموں میں بھی جنسی ہوس ہی نظر آئی؟ کیا گپتا جی اس نفسیات کے بارے میں اپنی رائے دیں گے ساٹھ فی صد جلی ہوئی عورت کی زخمی چھاتیوں کو پکڑنے میں اس مجرم کو نہ رحم آیا، نہ متلی ہوئی، آخر کیوں؟ اس گھناؤنے جرم میں کس ڈریس کوڈ، مغربی فیشن پرستی اور جمالیات کے کون سے اصول کارفرما ہیں؟ قارئین! گپتا جی کے اس بیان کے پیچھے چھپی اسی مریضانہ ذہن کی کارفرمائی کو آپ صاف صاف پڑھ سکتے ہیں، صدیوں کی تربیت نے جسے مردوں کی شخصیت کا حصہ بنا دیا ہے۔

غیر معمولی حالات میں عورت مخالف رویے اور جرائم کس طرح آپس میں گڈمڈ ہو کر نقطۂ عروج کو پہنچتے ہیں، اس کے ہزاروں نمونے ہر فرقہ وارانہ فساد میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ فسادیوں کے روپ میں انسانیت کے دشمن عورتوں کے تئیں جرم کے جو جو روح فرسا طریقے ایجاد کرتے ہیں، ان کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، نارمل حالات کے نمونوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے ابنارمل حالات کے ان جرائم کا۔ فساد میں جان بچانے کے لیے بھاگتی ہوئی لڑکیوں کی بیچ سڑک پر اجتماعی آبروریزی، ان کا قتل، حاملہ عورتوں کے پیٹ چیر کر ان کے بچے پر پیٹرول ڈال کر آگ لگانے تک کے انسانیت سوز واقعات تو اسی سال گجرات کے فسادات کے حوالے سے ہم سب کی یادداشت کا حصہ ہیں۔

اخبار چیخ چیخ کر بتا رہے ہیں، اعداد و شمار سے ثابت کرتے ہیں— سرکار ہی کے اعداد و شمار سے— کہ عورتوں کے تحفظ کی صورت حال بہت ہی افسوسناک ہے، پھر بھی کسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی— نہ عام حالت میں، نہ غیر معمولی حالات میں۔ "استری شکتی" کے منصوبے، حفاظت کے وعدے اور مساوات لانے کی باتیں حالات کو بدلنے میں جتنی کامیاب ہیں، وہ کامیابی صرف کاغذی کارروائی تک ہی محدود ہے۔ حالات کے بدلنے کے آثار نظر بھی نہیں آتے کیوں کہ اس کے لیے تو پرزور سماجی تحریک اور بیداری کی مہم ہر سطح پر شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ مہم سماجی رویوں کو بدلنے کی مہم ہوگی۔ جب تک ہر حساس ذہن اس کی آواز پر لبیک نہیں کہے گا، صورت حال میں تبدیلی مشکل ہی ہے۔ ان گھٹاٹوپ اندھیروں میں بس یہی امید کی کرن ہے۔

انتخاب غزلیات میر

ڈاکٹر حامدی کاشمیری

میر تقی میر کی شاعری کا منظر نامہ شخصی زندگی کی حدوں کو سمیٹتا ہوا ایک آفاقی انسانی صورت حال کو ابھارتا ہے جس میں سایوں اور روشنیوں کی ایک طلسمی دنیا آباد ہے۔

دوسری اشاعت

255 صفحات — قیمت: 62 روپے

اردو کی کہانی

سیّد احتشام حسین

بچوں کی تعلیمی ضروریات نیز تعلیم بالغاں کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اس طرح لکھی گئی ہے کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ ابتدا سے موجودہ دور تک ایک تسلسل کے ساتھ سامنے آجائے۔ کتاب میں اہل قلم کی 61 تصویریں بھی ہیں۔

دوسرا ایڈیشن

104 صفحات — قیمت: 21 روپے

امریکی ادب کا مختصر جائزہ

ڈاکٹر سلامت اللہ خاں

انیسویں صدی سے امریکہ میں ایسا ادب تخلیق ہو رہا ہے جو اپنی بعض خصوصیات میں دوسرے ممالک کے انگریزی ادب سے مختلف ہے۔ اس کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ امریکی ادب کے تاریخی اور ثقافتی سیاق و سباق کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے۔

دوسرا ایڈیشن

192 صفحات — قیمت: 52 روپے

نوٹ:- طلبہ و اساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسبِ ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

رپورٹ

بڑھتی آبادی اور ماحولیاتی تبدیلیاں

انسانی سرگرمیوں نے کرۂ زمین کے ہر حصے پر اپنے اثرات ڈالے ہیں، چاہے وہ کتنے ہی دور دراز ہوں اور چاہے معاشی طور پر کتنے الجھے ہوئے اور پیچیدہ کیوں نہ ہوں۔ اقوامِ متحدہ آبادی فنڈ سے جاری کی گئی 2001 کی عالمی آبادی کی صورت حال سے متعلق رپورٹ کے مطابق ہر سطح پر مشکل فیصلے کیے جانے ہیں۔

1970 سے ہماری تعداد دوگنی یعنی 1.6 بلین ہو چکی ہے اور یہ اضافہ غریب اور پسماندہ ملکوں میں ہوا ہے۔ 1970 سے اخراجات بھی دوگنے سے زیادہ ہوئے ہیں جو زیادہ تر امیر ممالک میں ہوئے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی آدھی آبادی کی آمدنی اب بھی دو ڈالر یومیہ سے بھی کم ہے۔

جدید ٹیکنالوجی اور عالم کاری کے ساتھ ساتھ بڑھتی آبادی اور صارفیت نے دنیا کو ایک غیر یقینی حال میں پہنچا دیا ہے۔ ہر جگہ ہمیں تباہی اور بربادی، قدرتی وسائل کی تباہی، بنجر زمین، آلودہ ہوا اور پانی اور عالمی درجہ حرارت میں اضافے سے برف پگھلنے کے خطرات نے گھیر رکھا ہے۔

ہم لوگ اس بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کو کس طرح پورا کر سکتے ہیں اور قدرتی ماحول کو کس طرح محفوظ رکھ سکتے ہیں؟ بنیادی سوالات یہ ہیں کہ موجودہ زمینی اور آبی وسائل سے سب کے لیے اناج کیسے فراہم کیا جائے: اقتصادی فروغ کیسے ہو تا کہ غریبی ختم ہو: اور ان سب کاموں کو کرتے ہوئے انسانی سرگرمیوں میں ماحولیاتی مسائل کو کیسے قابو میں رکھا جائے جب کہ دنیا گرم ہو رہی ہے اور حیاتیاتی تنوع کو نقصان ہو رہا ہے۔

آبادی اور ماحول کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے لیکن ان کے درمیان یہ تعلق نہایت پیچیدہ اور مختلف قسم کا ہے، اور اس کا انحصار مخصوص حالات پر ہے۔ اس تعلق کو سمجھنے کے لیے ان کے درمیان چیزوں کے استعمال، ٹیکنالوجی اور بڑھتی ہوئی آبادی کو تو سمجھنا ہی ہوگا ساتھ ہی صنفی مساوات، سیاسی اداروں اور حکمرانی کے طریقوں کو بھی سمجھنا ہوگا۔

عورتوں اور مردوں کو برابری کا درجہ دینے کے ساتھ ساتھ ہی ان کی بہتر صحت کی بھی ضمانت ضروری ہے جس میں خاندان کی تعداد کا فیصلہ کرنے کا حق بھی شامل ہوگا، جس سے بڑھتی ہوئی آبادی کو کم کرنے میں مدد ملے گی اور مستقبل کی عالمی آبادی کم ہوگی تو اس سے ماحولیاتی نظام ٹھیک ہو جائے گا۔

دنیا کی آبادی 2001 کے وسط میں 691 بلین سے بڑھ کر 2050 میں 9.3 بلین ہو جائے گی۔ موجودہ بڑھتی ہوئی آبادی کے اثرات ترقی پذیر ملکوں پر پڑیں گے۔ 49 کم سے کم ترقی یافتہ ممالک پہلے ہی اپنے عوام کو بنیادی سماجی وسائل نہیں دے پا رہے ہیں اور ان کی آبادی 668 بلین سے بڑھ کر 1586 بلین ہو جائے گی۔

غریب ممالک پانی اور زمین کی بربادی اور خوراک کی شدید کمی کے شکار ہیں۔ چیزوں کا سب سے زیادہ استعمال صنعتی ممالک میں ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے آمدنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، صارفیت میں اضافہ اور زیادہ ہو سکتا ہے۔ انرجی بچانا اور آلودگی کو ختم کرنا نیز قدرتی وسائل کا استعمال ایسی چیزیں ہیں جو مستقبل میں ترقی کے فروغ کے لیے ضروری اور لازمی ہوں گی۔

اقوامِ متحدہ کی کانفرنس برائے ماحولیات اور ترقی 1992 میں ریوڈی جنیرو میں اس بات کو تسلیم کیا گیا تھا کہ انتظامیہ کو غریبی اور پسماندگی دور کرنے کے لیے مل کر کام کرنا ہوگا۔ 1994 میں اقوامِ متحدہ کی کانفرنس برائے آبادی اور ترقی میں ماحولیاتی تحفظ کے لیے انفرادی طور پر نتیجے اخذ کرنے اور ساتھ ہی انسانی حقوق بشمول صنفی مساوات اور تولیدی صحت پر زور دیا گیا تھا۔

اقوامِ متحدہ کی کانفرنس برائے آبادی اور ترقی کی صحت سے متعلق تجاویز کو منظور کر کے غریبی کو ختم کیا جا سکتا ہے اور ماحول کو بچایا جا سکتا ہے۔ اگر عورتیں اپنی پسند سے بچوں کو جنم دیں تو خاندان چھوٹے ہوں گے اور آبادی کے بڑھنے کی رفتار بھی کم ہوگی اور یہ فیصلہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ماحولیاتی رجحانات

پچھلے ستر برسوں میں پانی کے استعمال میں چھ گنا اضافہ ہوا ہے۔ ساری دنیا میں دستیاب تازہ پانی کا 54 فی صد پینے کے کام آ جاتا ہے اور اس کا دو تہائی حصہ زراعت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ 2025 تک یہ ستر فی صد ہو سکتا ہے کیوں کہ اس کی وجہ آبادی کا بڑھنا ہوگا۔ اگر پانی کا استعمال ہر جگہ ترقی یافتہ ملکوں کے برابر ہو گیا تو یہ تناسب 90 فی صد ہو سکتا ہے۔

2000 میں 508 بلین لوگ سوکھے والے یا کم پانی والے علاقوں میں رہا کرتے تھے۔ 2025 تک تین بلین لوگ اس طرح کے 48 ملکوں میں رہا کریں

گے اور 2050 تک 4.2 بلین لوگ (تقریباً دنیا کے 43 فی صد لوگ) ایسے علاقوں میں رہیں گے جہاں فی کس پچاس لیٹر پانی بھی میسر نہیں ہوگا، جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔

بہت سے ممالک اپنی پانی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ چین، لاطینی امریکہ اور جنوبی ایشیا میں کچھ ایسے شہر بھی ہیں، جہاں پانی کی سطح ہر سال ایک میٹر کم ہو رہی ہے۔ سمندروں اور ندیوں سے پانی کا رخ ایسے ملکوں کی طرف موڑا جارہا ہے، تاکہ وہ اپنی کاشتکاری اور صنعتی مشکلات کو دور کر سکیں لیکن کبھی کبھی اس کے بڑے خراب نتائج نکلتے ہیں۔

ترقی پذیر ممالک میں 90 سے 95 فی صد گندگی اور 70 فی صد صنعتی فضلہ پانی میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ کئی صنعتی ممالک میں کھاد کے کارخانوں سے نکلنے والے کیمیائی اثرات اور ایسڈ کی بارش کی وجہ سے آب و ہوا پراگندہ ہو جاتی ہے اور اس کی آلودگی دور کرنے کے لیے مہنگے علاج کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ صاف کوالٹی کے پانی کو بحال کیا جا سکے۔

1985 اور 1999 کے درمیان غذائی پیداوار انسانی آبادی کی پیداوار کے مقابلے میں پیچھے تھی۔ یہ بات ایک سو پانچ ترقی پذیر ملکوں کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوئی۔ ان میں افریقہ سمیت 64 ملکوں کی حالت بے حد خراب اور گری ہوئی ہے۔

اقوامِ متحدہ کی تنظیم برائے خوراک و زراعت (ایف اے او) کے تجزیے سے یہ پتہ چلا کہ زیادہ تر ترقی پذیر ممالک "کم آمدنی والے، خوراک کی کمی والے ممالک ہیں" جو اپنے عوام کو خود خوراک مہیا کرا پاتے ہیں اور نہ ہی باہر سے خوراک کا سامان منگا کر اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔ تقریباً آٹھ سو ملین لوگ دماغی طور پر بیمار ہیں اور تقریباً دو بلین لوگ خوراک کی کمی کا شکار ہیں۔

کیڑے مکوڑوں اور زہریلے اور خراب پودے اچھی اور بہتر زراعت کے لیے خطرہ بن جاتے ہیں۔ تقریباً 60 ہزار نباتاتی انواع جو پوری دنیا کی کل کاشت کا ایک تہائی ہیں، وہ 2025 تک ضائع ہو سکتی ہیں۔

مچھلیوں کے اسٹاک پر بھی خطرے کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ ایف اے او کے مطابق تجارتی مچھلیوں کا 69 فی صد ذخیرہ ختم ہو چکا ہے۔ دنیا میں تقریباً آٹھ ہزار بلین لوگ 2025 تک اپنی خوراک میں بہتری کی توقع رکھتے ہیں۔ دنیا کو اپنی غذائی ضرورتوں کو دوگنا کرنے کے ساتھ ساتھ تقسیم کا طریقہ بھی بہتر کرنا ہوگا۔ زیادہ اناج اگانا ہوگا۔ اناج کی نئی قسموں کو کھیتی کے ماہرانہ طریقوں، اچھی کھاد اور بہتر طریقوں کی ضرورت ہوگی جس سے ماحولیاتی نظام پر خراب اثر پڑ سکتا ہے۔

بے حد غریب ممالک بھی اپنی زمین کی حفاظت اور تازہ پانی کے وسائل کے تحفظ کے ساتھ ساتھ زمین کی پیداوار کی قوت کو بہتر بنا سکتے ہیں اور اناج کی اگائی میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے اچھے سیاسی انتظام کے ساتھ ساتھ لوگوں، خاص طور پر عورتوں کی شرکت اور عالمی برادری کے تعاون کی ضرورت ہے۔

بیسویں صدی میں کاربن ڈائی آکسائیڈ میں بارہ گنا اضافہ ہوا جو 534 ملین میٹرک ٹن سے بڑھ کر 6569 ملین میٹرک ٹن تک پہنچ گیا تھا۔ اس سے عالمی درجہ حرارت میں اضافہ ہوا جس کے اثرات پورے ماحول پر بے حد خطرناک ہوں گے اور اس کا اثر سماجی سطح پر بھی پڑے گا۔ آب و ہوا کی تبدیلی سے متعلق پینل (آئی پی سی سی) نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ عالمی درجہ حرارت 8ء5 ڈگری سیلسیس تک اس صدی کے آخر تک بڑھ جائے گا اور سمندر کی سطح تقریباً آدھا میٹر اونچی ہو جائے گی۔

پچھلی کچھ دہائیوں میں آبادی اپنی انتہائی اونچائیوں پر پہنچ چکی ہے تو وہیں جنگلوں کی کمی تاریخ میں اپنی انتہا کو چھو رہی ہے۔

ایک اندازے کے مطابق دنیا میں 50 فی صد ایسے جنگلات ہیں جن کی نباتاتی قوت اب بھی بچی ہوئی ہے۔ جنگلوں کے کاٹنے کے موجودہ حساب کے مطابق پچاس برسوں کے اندر اندر جنگلات میں جانوروں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ جنگل کاٹنے یا ختم ہونے سے کاربن ڈائی آکسائیڈ کے ماحول میں بڑھنے کا خطرہ بھی بڑھ جائے گا۔

"صارفیت کا ایک زبردست خلا" آج بھی صنعتی اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان قائم ہے۔ دنیا کے امیر ترین ملک جہاں دنیا کی 20 فی صد آبادی رہتی ہے، وہاں دنیا بھر میں استعمال ہونے والی اشیا کا 82 فی صد حصہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جب کہ غریب ممالک میں یہ اوسط صرف 3ء1 فی صد ہے۔

ترقی پذیر ملکوں میں رہنے والے تقریباً 4ء4 بلین لوگوں کا 60 فی صد حصہ صفائی ستھرائی کی بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہے اور ان میں تقریباً ایک تہائی تو ایسے ہیں جن کے پاس صاف اور تازہ پانی بھی نہیں ہے۔ ان میں سے ایک چوتھائی لوگ مناسب مکانوں سے محروم ہیں، 20 فی صد لوگ صحت سے متعلق جدید طریقوں سے نابلد ہیں اور بچوں کی 20 فی صد تعداد کو پانچویں درجے تک کی تعلیم سے بھی محروم رہنا پڑتا ہے۔

عالم کاری کی وجہ سے عالمی دولت میں اضافہ ہوا ہے لیکن اس کی وجہ سے آمدنی میں نابرابری بھی آئی ہے اور اس کے ساتھ ہی ماحول کی تباہی بھی ہوئی ہے۔ غریب لوگ جسم و جاں کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے قدرتی وسائل کو ختم کرنے کے کام میں زمین کے محدود ہونے کی وجہ سے یہ غریب لوگ اکثر ہرے بھرے اور شاداب علاقوں پر قبضہ جما لیتے ہیں۔

شہروں کے بڑھتے رہنے کی وجہ سے ایک دوسرا چیلنج درپیش ہے۔ ہر روز تقریباً دس ہزار لوگ دیہاتوں کو چھوڑ کر شہروں کی طرف آجاتے ہیں اور ان کی تقریباً آدھی سے زیادہ آبادی ان شہروں میں ہی رہ رہی ہے۔ ترقی پذیر ملکوں کے متعدد شہروں میں تو یہ ایک بڑا مسئلہ بن گیا ہے جہاں ماحولیات کے ساتھ ساتھ صحت سے متعلق چیلنج بھی سامنے آگئے ہیں۔ پانی کے مسئلے کے ساتھ ساتھ کوڑے کرکٹ کا اضافہ بھی ان کے لیے ایک مسئلہ بن گیا ہے جس پر قابو پانا مشکل ہو گیا ہے۔

ماحول پر انسانوں کا بڑھتا ہوا اقتدار قدرتی وسائل کو ختم کیے دے رہا ہے اور غریبوں پر اس کا اثر زیادہ ہی ہوتا ہے۔ اس وقت تقریباً 25 ملین ماحولیاتی رفیوجی موجود ہیں۔

خواتین اور ماحولیات

دنیا کی آدھی آبادی سے بھی زیادہ کھیتوں میں کام کرنے والوں میں عورتوں کا حصہ زیادہ ہے۔ غذا، پانی، ایندھن اور دوسری گھریلو اشیا کا انتظام بھی عورتیں ہی کرتی ہیں۔ دنیا کے غریب ملکوں میں ایک چوتھائی دیہی گھروں کا سارا کام کاج عورتیں ہی چلاتی ہیں۔

ان ذمے داریوں کے باوجود قومی قانون یا مقامی رسمیں اکثر ان عورتوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھتی ہیں جس سے وہ زمین کی مالک بن سکیں اور اپنی زندگی کے حالات کو بہتر بنا سکیں۔

دیہی زندگی میں آج بھی زیادہ بچے پیدا کرنا اور بڑے خاندان اہمیت کے حامل ہیں۔ عورتیں ان معاملات میں اپنی رائے ظاہر کرنے سے محروم ہیں۔ ان کے کنبے کے سائز پر قابو پانے کے ساتھ ساتھ صحت بشمول تولیدی صحت کی دیکھ بھال اور تعلیمی معاملات میں آگے آنے کی ضرورت ہے۔

زمین پر کم اختیارات اور کم مواقع ہونے کی وجہ سے کئی مرد گھر چھوڑ دیتے ہیں اور اس سے عورتوں پر خاندانی بوجھ اور ذمے داریاں بڑھ جاتی ہیں۔

صحت اور ماحولیاتی پروگراموں میں عورتوں کی شمولیت ضروری ہے عورتوں کے حقوق اور مساوات سے متعلق قوانین کے باوجود عورتیں ماحولیاتی تباہی کے جال میں پھنس جاتی ہیں جس کی وجہ سے غریبی بڑھتی ہے اور مواقع کم ہوتے ہیں۔

خواتین کی متعدد تنظیمیں اب عورتوں کو سیاست میں لا رہی ہیں جس کی بدولت یہ ممکن ہو سکے گا کہ عورتیں اپنی زندگی اور رہن سہن کے بارے میں اپنے فیصلے خود ہی کر سکیں۔

صحت اور ماحولیات

ماحول اور صحت خاص کر تولیدی صحت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔

ماحولیاتی حالات بیماریوں پر مخصوص اثر چھوڑتے ہیں جس کی وجہ سے پوری دنیا میں 20 سے 25 فی صد لوگ موت کا شکار ہوتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پوری دنیا میں 60 فی صد بیماریاں چھوت کی ہوتی ہیں، جن پر ماحولیاتی حالات پر نظر رکھ کر قابو پایا جا سکتا ہے۔

گندے پانی اور صفائی ستھرائی کی کمی کی وجہ سے ہر برس 12 ملین لوگ موت کا شکار ہوتے ہیں اور یہ اموات زیادہ تر ترقی پذیر ملکوں میں ہوتی ہیں۔

گنجان آبادی والے شہروں میں فضائی آلودگی عالمی صحت تنظیم کی تسلیم کردہ سطح سے زیادہ ہوتی ہے۔

گھر کے اندر کی آلودگی، جو لکڑیوں اور کوئلہ جلانے سے ہوتی ہے، جس کا اثر 2،5 بلین لوگوں پر پڑتا ہے، جن میں زیادہ تر عورتیں اور لڑکیاں ہیں اور ایک اندازے کے مطابق 2،2 ملین سے بھی زیادہ لوگ ہر برس ترقی پذیر ملکوں میں اسی وجہ سے موت کا شکار ہوتے ہیں۔

غیر منصوبہ بند شہر کاری اور کم سے کم گاؤں کی زمین چھوڑنے کی وجہ سے تولیدی صحت کے مسائل میں اضافہ ہوا ہے اور اس کی وجہ سے ماؤں کی موت اور ان چاہے حمل میں اضافہ ہوا ہے۔ صحت مراکز میں صاف پانی کی کمی سے تولیدی صحت خدمات متاثر ہوتی ہیں۔

1900 سے اب تک تقریباً ایک کروڑ ایسی صنعتیں قائم کی گئی ہیں جن کا مضر اثر صحت پر پڑتا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر صنعتوں میں تو صحت سے متعلق غور بھی نہیں کیا گیا ہے۔ کچھ ملکوں نے تو ایسی صنعتوں پر پابندی عائد کر دی ہے تاکہ ان کے مضر اثرات نہ پھیلیں۔ لیکن ترقی پذیر ملکوں میں ایسی صنعتوں کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ہوا، پانی، مٹی اور کھانے کی چیزوں میں کئی زراعتی اور ایسے صنعتی کیمیکل داخل کیے گئے ہیں۔ نیوکلیائی ریڈی ایشن اور بھاری دھاتوں کے جینیک اثرات بھی ہوئے ہیں۔

ایچ آئی وی / ایڈس بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ جن میں غریبی بھوک مری اور دوسری چھوت کی بیماریوں کے ساتھ ساتھ غیر محفوظ بچپن کے مسائل بھی شامل ہیں۔ اس وبا نے صحت اور خاندان پر تباہ کن اثرات ڈالے ہیں اور اس کے سبب ماحولیاتی تحفظ کے مسائل پیچیدہ تر ہوئے ہیں۔ زرعی مزدوروں کے مسائل بڑھے ہیں اور دیہی عورتوں کی دشواریاں بڑھی ہیں۔

برقرار رہنے والی اور منصفانہ ترقی کے لیے اقدامات

معاشی ترقی، ماحولیات، مرد عورت اور بچوں کی صحت اور سماج میں عورتوں کا مقام، آج ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ انفرادی زندگی

میں ترقی کرنے کے لیے بہتری کی ضرورت ہوتی ہے جو عام طور پر خود اپنے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ عورت کو صحیح اور مناسب تولیدی صحت کی دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سب باتیں 1992 میں ہونے والی عالمی کانفرنس میں کہی گئیں۔ پھر انھی باتوں کو 1994 میں آبادی اور فروغ کے موضوع پر ہونے والی کانفرنس میں کہا گیا اور پھر 1995 میں سماجی فروغ اور عورتوں کے حقوق والی کانفرنس میں بھی دہرایا گیا۔

1994 میں آئی سی پی ڈی نے دھیمی رفتار سے بڑھنے والی آبادی کو غریبی میں کمی، معاشی ترقی، ماحول کے تحفظ اور غیر ضروری چیزوں کے استعمال پر روک لگانے سے مربوط کیا۔ اس نے عورتوں کے حقوق خصوصاً تولیدی صحت کے حقوق کو یقینی بنانے کی ضرورت پر زور دیا جو بجائے خود بھی لازمی ہیں اور ساتھ ہی برقرار رہنے والی ترقی کی کلید بھی ہیں۔

1999 میں ہونے والے ایک جائزے کے مطابق 185 ملکوں نے آئی سی پی ڈی پروگرام پر عمل کیا جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ پروگرام بالکل درست اور مناسب ہیں۔ حالاں کہ کچھ ملکوں نے اپنے صحت اور آبادی سے متعلق پروگراموں میں کچھ تبدیلیاں کرکے قاہرہ والے پروگرام پر عمل کیا۔ ایچ آئی وی / ایڈس جیسی بیماریوں میں 1994 سے اضافہ ہوا ہے اور اس کی وجہ قاہرہ میں کیے گئے اقدامات پر عمل نہ کرنا بتائی گئی ہے۔ اس جائزے نے کچھ نئے اور پر اثر اقدامات کی سفارش بھی کی ہے۔

آئی سی پی ڈی کا اصل کام ایچ آئی وی / ایڈس سے تحفظ فراہم کرنا تھا لیکن ایچ آئی وی کے شکار کروڑوں لوگوں کے علاج اور دیکھ بھال کے لیے بہت زیادہ فنڈ درکار ہیں۔ 2051 تک خاندانی منصوبہ بندی کو پوری طرح لاگو کرنے کا فیصلہ اب ایک بین الاقوامی ٹارگٹ بن گیا ہے۔ لیکن اس کے لیے مزید رقم اور سرمائے کی ضرورت پڑے گی۔ ماؤں کی موت کی روک تھام بھی ایک دوسرا اہم چیلنج بن گئی ہے۔

انسانی حقوق کو فروغ دینا، غریبی ختم کرنا، صحتِ عامہ کو فروغ دینا اور آبادی اور ترقی کی ضرورتوں کے درمیان توازن نیز ماحولیاتی تحفظ کے لیے ایک بڑے پیمانے پر تحریک چلانے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے کچھ ترجیحات درج ذیل ہیں۔

1- آبادی اور ترقی سے متعلق بین الاقوامی کانفرنس کے فیصلوں پر عمل درآمد اور فنڈ کا انتظام

2- صفائی ستھرائی سے متعلق سہولیات فراہم کرنا اور پیداوار کے مزید وسائل کو فروغ دینا۔

3- آبادی، فروغ اور ماحولیاتی تحریکات سے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچانا اور اقدامات کرنا۔

4- غربت کو کم کرنا اور سماجی ترقی کو فروغ دینے سے متعلق بین الاقوامی منظوری پر عمل پیرا ہونا۔

آبادی، ماحول اور فروغ جیسے مسائل پر اقدامات ضروری بھی ہیں اور عمل کے متقاضی بھی۔ آبادی اور ترقی سے متعلق مختلف بین الاقوامی ماحولیاتی معاہدوں اور اتفاق رائے کو عملی شکل دینے کی کوششیں جاری ہیں۔ یہ معاہدے ان کوششوں کو تیز تر اور وسیع تر کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔

(بشکریہ "اقوام متحدہ کی آبادی فنڈ")

□□□

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

محکمۂ ثانوی و اعلا تعلیم، وزارتِ ترقیِ انسانی وسائل، حکومتِ ہند، ویسٹ بلاک۔ 1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066

[illegible]

مصنف: کے ایل نیل کنٹھ

مترجم: آر کے بھٹناگر

جنوبی ہند کی تاریخ پر بہت کم کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتاب میں جنوبی ہند کی قدیم تاریخ سے سترھویں صدی کے نصفِ اوّل تک کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

(دوسرا ایڈیشن)

صفحات: 576 ، قیمت: 114

دکنی نثر کا انتخاب

مرتبہ: سیّدہ جعفر

دکنی نثر کا یہ انتخاب دکن میں اردو نثر کی ابتدا سے فورٹ سینٹ جارج کالج کے زمانے تک کے مصنفین کا احاطہ کرتا ہے اور ان کی تصانیف کے نمائندہ منتخبات پر مشتمل ہے۔

صفحات: 168، قیمت 45

سخنورانِ گجرات

مرتب: سیّد ظہیر الدین مدنی

گجرات میں اردو شعر و ادب کی نشاندہی پندرھویں صدی کے نصف آخر سے کی جاتی ہے۔ اس کتاب میں ابتدا سے 1950 تک کے شعرا کا تذکرہ اور ان کے کلام پر تبصرہ، سیاسی اور سماجی پس منظر کے ساتھ درج ہے۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات: 340، قیمت: 77

شکیل الرحمٰن

بہادر شاہ ظفر کی شاعری کا ایک پہلو

بہادر شاہ ظفر نے تیس ہزار سے زیادہ اشعار کہے ہیں جن میں حمد، نعت، سلام، مسدس، قصیدہ، مرثیہ، مثلث، مخمس، قطعات، رباعیات، دوہے، ہولی، بھجن، شہر آشوب اور غزلیات وغیرہ شامل ہیں۔ غور کیجیے تو ناسخ، آتش، میر، سودا، نصیر، ذوق، مومن، ممنون، غالب، تسکین، سب کا رنگ مل جائے گا اور بعض رنگ تو اتنے گہرے ہیں کہ ان شعرا کے گہرے اثرات کی پہچان فوراً ہو جاتی ہے اور بات صرف اسی حد تک نہیں ہے، محسوس ہوتا ہے جیسے بعض شعرا شاعر کے وجود پر جن کی طرح سوار ہو کر اپنی مضمون آفرینی، محاوراتی زبان، نازک خیالی، شوخی ادا اور اپنے سطحی تجربوں کے نام نہاد نکات پیش کرنے پر مسلسل مجبور کیے ہوئے ہیں اور خاکساری کا عالم یہ ہے کہ شاعر انھیں مسلسل بیان کیے جا رہا ہے۔

یہ بہت بڑی بات ہے کہ ایک مغل شہزادہ اور پھر ایک مغل بادشاہ، اردو زبان میں شاعری کرتا ہے، اس زبان کی تہذیبی اہمیت کو صرف سمجھتا ہی نہیں بلکہ اس کے حسن و جمال اور اس کی لطافت و نزاکت اور عوامی ذہن اور اجتماعی جذبات میں اس کی نمایاں جگہ دیکھ کر قلعۂ معلےٰ میں خود اردو کلچر کا مرکز بن جاتا ہے۔ اس خواہش کے ساتھ کہ اردو عوامی بولیوں اور دوسری زبانوں کی روشنی اور نغمگی بھی حاصل کرے، عوامی بولیوں اور زبانوں سے اس کا ایک بامعنی داخلی رشتہ قائم ہو۔ دوہوں اور بھجنوں کے لطیف اور گہرے، بظاہر بہت سیدھے سادے لیکن اندر سے کچھ کہتے ہوئے تجربوں اور لفظوں کے آہنگ سے رشتہ پیدا ہو۔ ہولی کے نغموں، موسموں کے عوامی گیتوں اور ہندستانی موسیقی کے راگوں کو اردو زبان و ادب اپنے دامن میں پھولوں اور ان کی خوشبوؤں کی مانند رکھ لے۔ بہادر شاہ ظفر نے شعوری یا غیر شعوری طور پر اس سلسلے میں اپنے کلام کے ذریعے جو کچھ کیا ہے وہ ناقابلِ فراموش ہے، یہ کام اُس دور کے کسی شاعر نے نہیں کیا۔ ظفر کا ذہن کسی سطح پر کام کرے، کام بڑا ہو یا چھوٹا، امکانات کی جانب اشارہ ضرور کر دیتا ہے۔ آج بھی اُن کے ذہن کی یہ کیفیت ہم سے سرگوشی کر رہی ہے کہ اردو زبان اور اس کے ادب کے فارم اور تکنیک میں سائنسی لچک ہے کہ وہ دوسری زبانوں اور بولیوں کے لفظوں اور تجربوں، تکنیک اور فارم سے ایک بامعنی رشتہ قائم کرے۔ بہادر شاہ ظفر نے جو گیت، دوہے، بھجن، ہولی اور خیال وغیرہ لکھے ہیں، اُن کی تعداد بہت کم ہے لیکن ایسے تمام تجربوں کی اس دور میں بہت اہمیت ہے۔ انھوں نے اردو الفاظ کے ذریعے عوامی لفظوں اور عوامی نے اور آہنگ سے جو رشتہ قائم کیا ہے، وہ توجہ چاہتا ہے۔

اس دنیا کے جتنے دھندے، سگرے گورکھ دھندے ہیں
ان کے پھندے جا نہ پڑو تم، ان میں نہ من اُلجھاؤ جی
عمر اکارت تم نے کھوئی، کچھ تو ادھر کا دھیان کرو
بہت گئی اور تھوڑی رہی ہے، یہ بھی یونہی نہ گنواؤ جی
یہ منوا ہے مورکھ لو بھی، سب تک پر للچاوے ہے
چاتر ہو تو اس مورکھ کو، جیسے بنے سمجھاؤ جی!
کہے نہ بھولا اس کو ظفر جو، صبح کا بھولا سانجھ کو آئے
چھوڑ کے سگرے جھگڑے اپنا، رب سے دھیان لگاؤ جی!

•

جن گلین میں پہلے دیکھیں لوگن کی رنگ رلیاں تھیں
پھر دیکھا تو اُن لوگاں بن سونی پڑی وہ گلیاں تھیں
ایسی انکھیاں میچے پڑے ہیں کروٹ بھی نہیں لے سکتے ہیں
جن کی چالیں البیلی اور چلنے میں چھل بلیاں تھیں
خاک کا ان کا بستر ہے اور سر کے نیچے پتھر ہے
ہائے وہ شکلیں پیاری پیاری کس کس چاؤ سے پلیاں تھیں!
تُخّی اُٹھائی موت کی چکھ کے، خاک سب اُن کو چاٹ گئی
جن کی باتیں میٹھی میٹھی مصری کی سی ڈلیاں تھیں!

•

میں کہتی تھی اپنے پیا کو راکھوں گی میں گھیر
وہ تو ایسے بن سدھارے چلی نہ لاگی دیر
نام و نشان کی ہے وہ گری جن کے محلاں باڑی
پہنچے فقیر اللہ کے گھر تو جس دم کملی جھاڑی
سنگ سنگاتی سنگ نہ ہوں گے ہوگی اکیلی جان
نفسی نفسی سب کہیں گے کس کو کس کا دھیان!
کفن سمجھ لو گوڑی اپنی گور سمجھ لو گاؤں
لحد سمجھ لو بستر اپنا خاک سمجھ لو ناؤں!

•

تجھ بن رین اندھیری میں جو مارے آؤں تارے
سب تارے دھوئیں کے مارے ہو گئے کارے کارے
پریم نگر کی کٹھی ہے گھاٹی کون ادھر کو جاوے
میری ڈگر جو جو کوئی آوے وہ ہی رستہ پاوے

•

کیوں لوں پر رنگ کی ماری پچکاری
دیکھو کنور جی دوں گی میں گاری
بھجت دنن میں ہاتھ لگے ہو کیسے جانے دوں
آج میں پھگوا تو سوں کانھا پیٹھ پکڑ کے لوں
شوق رنگ ایسے ڈھیٹھ کہ ان سے کھیلے اب کون ہوری
مکھ توڑے اور ہاتھ مروڑے کرے وہ برجوری

•

رتیاں گزاروں روت روت دن کو گزاروں آہاں کھینچ
میرے من کی سرسوں نہ پوچھو، پوچھو میری پیتا سے
من کے اندر پیا قلندر، تیرے ظفر وہ آن بسا
کام پڑو جب راسوں تہارو کام رہا کیا دنیا سے
لکھاتی چٹیاں لکھ چکی لکھ لکھ تھک گئے ہاتھ
پہنچیں ہیں یا نہ پہنچیں، یہ کس نے پچھیاں بات
بھر دی میری انکھیاں وچ دی وہ انکھیاں مدماتی
میں ناپیواں مدھ کا پیالہ مینو مدھ نہیں ماتی

•

ایسے دل کش اور دلنشیں خیالات اور ایسے آہنگ کا رشتہ ہندستان کی اس مٹی سے ہے جس پر ہند مغل جمالیات کی خوب صورت آمیزش ہوئی تھیں۔ تجربے کے بطن سے لے پھوٹتی محسوس ہوتی ہے اور لے کے آہنگ سے خیال کی روشنی بکھرتی ہوئی لگتی ہے۔ لے اور اُس کے ہر آہنگ میں اس ملک کی خوشبو ہے۔ یہ لے اپنے آہنگ کی جانے کتنی جہتوں کے ساتھ اس مٹی کی گہرائیوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ خیالات، آہنگ اور لے کا رشتہ اردو شاعری اور مقامی بولیوں اور زبانوں کی قدیم روایات سے ہے، جس کا رشتہ ایک طرف دکن کے اردو شعرا اور صوفیائے کرام کے کلام سے جاملتا ہے تو دوسری طرف اس سے کبیر، نانک، تلسی، امیر خسرو، وارث شاہ، نظیر اور میر کے کلام کے رسوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ عوامی جذبوں کے رنگوں کو اپنے احساس اور جذبوں میں جذب کر کے تاثرات کا یہ بیان یا اظہار، توجہ طلب بنتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر جمالیاتی افکار و خیالات اور جمالیاتی تصورات کے شاعر نہیں ہیں جمالیاتی تاثرات کے شاعر ہیں۔ روایات سے جو افکار و خیالات اور تصورات حاصل ہوئے ہیں اُن ہی کے جمالیاتی تاثرات اپنے مختلف انداز سے اُبھارتے ہیں۔ اکثر روایتی خیالات اور تصورات، ذات کا لمس محسوس کر کے شاعر کے تاثرات میں کچھ اس طرح گھل مل جاتے ہیں کہ کیفیت مختلف ہو جاتی ہے۔ برہا کا غم ہو یا دنیا کی بے ثباتی کا ذکر، زندگی کے پھندے اور من کے اُلجھاؤ کا معاملہ ہو یا زندگی کے مختصر ہونے کا احساس، گلیوں میں ہولی کی رنگ رلیوں کا تاثر ہو یا اپنے رب سے دھیان لگانے کی بات، ماضی کی حسین یادیں ہوں یا حال میں ماضی کی عظمتوں کے ٹوٹ کر بکھرنے اور حسن کے ایسے کا ذکر، محبوب کی ادائیں ہوں یا عاشق کی بے قراری، باطنی اضطراب ہو یا جذبۂ غم کا اظہار، کوئی تجربہ ایسا نہیں ہے جو انوکھا ہو لیکن ایسے تجربے جب ذات کی آنچ پالیتے ہیں تو شاعر کے تجربے بن جاتے ہیں۔ اس لیے بھی کہ ذات کی آنچ ایسے تجربوں کو ایک لے اور آہنگ بھی عطا کرتی ہے۔

اس لے اور آہنگ کے شعری تجربے بہادر شاہ ظفر کے کلام کے ایک عمدہ پہلو کو نمایاں کرتے ہیں۔

□□□

Madhuban, A-267, South City,
Gurgaon-122 001 (Haryana)

اردو زبان کی تدریس
معین الدین
اردو کیسے پڑھی اور پڑھائی جائے
درس و تدریس کے جدید سائنٹفک اصولوں کی روشنی میں تدریسی طریقۂ کار کا تعین
طلبہ اور اساتذہ دونوں کے لیے یکساں مفید۔
پانچواں ایڈیشن
صفحات: 148 ، قیمت: 29.00

ہندوستان کا شاندار ماضی
مصنف: اے ایل باشم
مترجم: سید غلام سمنانی
ہندوستان کے قدیم تہذیب و تمدن کا مفصل اور مکمل تعارف مستند تاریخی شواہد کی روشنی میں
دوسرا ایڈیشن
صفحات: 748 ، قیمت: 145.00

اترپردیش کے لوک گیت
اظہر علی فاروقی
ہمارے لوک گیتوں میں ہندوستان کی عوامی زندگی کی بھرپور ترجمانی ہوئی ہے۔ اس کتاب میں اظہر علی فاروقی نے اترپردیش کے وہ تمام گیت یکجا کر دیے ہیں جو مختلف موقعوں پر عوام کے دکھ سکھ کی ترجمانی کرتے ہیں
صفحات: 652 ، قیمت: 120.00

مشیر الحسن

چوتھی قسط

جان کمپنی سے جمہوریہ تک جدید ہندستان کی کہانی

محرم میں جب چوک سے تعزیے کربلا جاتے تو پردیپ کی اماں تعزیوں کے ساتھ ننگے پاؤں کربلا تک جاتیں، عاشورے کے دن، دوسرے شیعوں اور سنیوں کی طرح روزہ رکھتیں۔ عبدالحلیم شرر نے لکھا ہے کہ گلیوں میں جب دل ہلا دینے والے مرثیوں اور ان کے ساتھ ہونے والے بین کی آوازیں آتی تھیں تو ہندوؤں کے گھروں میں بھی سناٹا چھا جاتا تھا۔ عزیز کا خاندان ہر تہوار کے موقع پر، پردیپ کے گھر جاتا، اُس کے لڑکے اور لڑکی کے لیے مٹھائیاں اور تحفے لے جاتا۔ ہولی اور دیوالی بھی اس کے کلینڈر میں خاص دن تھے۔

جب یہ تینوں، دہلی کالج، شمالی ہندستان کے مسلمانوں کے نشاۃ ثانیہ کی زندہ علامت کے شاندار دروازے کے قریب پہنچے تو سوچنے لگے کہ یہ کیا ہے جو غلط ہو گیا ہے، کیا بگڑ گیا ہے، لکھنؤ اور دہلی میں، لاہور اور کلکتے میں بلکہ ہر جگہ۔ اخباروں سے معلوم ہوا کہ باپو کلکتے میں ہیں، دہلی میں نہیں؟ آخر کیوں؟ "ہندستان ٹائمز" نے جو وہ روز ہی پڑھتے تھے، قتل و غارت گری اور بھیانک تشدد کے واقعات کی خبر دی۔ دہلی کے کئی محلے نذر آتش کر دیے گئے تھے۔ وہ محلے جہاں ہندو اور مسلمان صدیوں سے ساتھ رہ رہے تھے۔ لال قلعے سے تھوڑی ہی دور ریلوے اسٹیشن پر ہزاروں پناہ گزینوں کا مجمع تھا۔ یہ لوگ لٹے گھربار اور تلخ یادوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور زبانوں پر آتش زنی، لوٹ مار، عصمت دری اور کشت و خون کی کبھی نہ ختم ہونے والی کہانیاں تھیں۔ کہانیاں جو عزیز نے نازی جرمنی کے بارے میں پڑھی تھیں۔ اسی حضرت نظام الدین اسٹیشن سے ٹرینیں پاکستان کی طرف جاتی تھیں، نفرت اور انتقام کے پیشہ وروں کے پھیلائے ہوئے موت کے جالوں کی طرف۔ ان میں سے کچھ ٹرینیں اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتی تھیں اور کچھ واہگہ بارڈر سے پہلے ہی قتل و غارت گری اور بربریت کا شکار ہو جاتی تھیں۔ موت کا آسیب ہر جگہ چھایا ہوا تھا۔

گاندھی اور نہرو نے اس تعصب اور انتقام کے خلاف اپنی آواز بلند کی، مگر ان کے ساتھی سردار پٹیل کے ذہن میں کچھ اور ہی تھا۔ افسوس ہے کہ عمر نے بھی ان کی ادعائیت اور ان کے تکبر کو کم نہیں کیا تھا۔ جارحانہ خود اعتمادی سے سرشار انھوں نے اقلیتوں کے اعتماد اور بھروسے کو قائم رکھنے کے لیے کچھ نہیں کیا۔ اس کے برعکس انھوں نے مسلمانوں کے پاکستان جانے کی ہمت افزائی کی اور اجڑے ہوئے لوگوں کی باز آباد کاری کہاں اور کیسے ہو اس پر بھی پابندیاں عائد کر دیں۔ جب ہزاروں میواتیوں کی باز آباد کاری کا مسئلہ سامنے آیا تو ان کی پریشانی ان اجڑے ہوئے لوگوں کی حالت زار نہیں تھی، اس کے بجائے ان کے سامنے مسئلہ یہ تھا جیسا کہ انھوں نے راحت اور آباد کاری کے وزیر کو بتایا تھا کہ خالص مسلمانوں کے گاؤں، اور ایسے گاؤوں کی ایک پٹی کے قیام سے کس طرح بچا جائے۔ خود راجدھانی میں امن و قانون کے رکھوالوں، کہ جن کا سربراہ وزیر داخلہ تھا، کی ناکوں کے نیچے جرائم ہوتے تھے۔ جس میں مشرقی پنجاب سے گئے ہوئے مسلمان پناہ گزینوں کی چھوڑی ہوئی املاک کے بدلے یہاں مسلمانوں کے گھروں پر ہندو اور سکھ شرنارتھیوں کے زبردستی قبضے بھی شامل تھے۔ ستمبر 1947 میں لٹیروں کے بڑے بڑے گروہوں نے لٹن (Lutyen) کے بنائے ہوئے مدور بازار کناٹ سرکس میں مسلمانوں کی متعدد دکانیں لوٹ لیں۔ 3 اور 6 دسمبر کے درمیان دہلی اور اس کے آس پاس پانچ سو افراد، جن میں زیادہ تر مسلمان تھے، مارے گئے۔

عزیز، جگ موہن اور پردیپ کو گاندھی جی کا وہ کرب یاد ہے جس کا اظہار انھوں نے اپنی ایک پرارتھنا سبھا میں کیا تھا۔ انھوں نے کہا تھا:

> "رات کو میں نے ہلکی ہلکی بوندیں پڑنے کی آواز سنی، ایسی بارش سے عام طور پر راحت ملتی ہے، مگر میرا دھیان ان ہزاروں پناہ گزینوں کی اور گیا جو دہلی میں کھلے کیمپوں میں پڑے ہوئے ہیں، میں چاروں طرف سے سورکشت ایک برآمدے میں آرام سے سو رہا تھا۔ مگر سوچ رہا تھا کہ اپنے بھائی کے خلاف آدمی کے ظالم ہاتھ اگر نہ ہوتے تو ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے کھلے آسمان کے نیچے نہ ہوتے اور بھوکے پیاسے نہ ہوتے۔ بہت سی جگہوں پر تو یہ لوگ گھٹنے گھٹنے پانی میں بھی ہو سکتے ہیں۔ کیا یہ سب ضروری تھا؟ اندر سے جو جواب ملتا ہے وہ تو صرف ایک زوردار 'نہیں' ہے۔ کیا آزادی کا، جو ابھی ایک مہینہ کا بچہ ہے، پہلا پھل یہی تھا؟ پچھلے بیس گھنٹوں میں ان ہی خیالات نے مجھے گھیرے رکھا ہے۔ میرا مون (خاموشی) ایک وردان رہا ہے۔ اس نے مجھے خود اپنے ضمیر سے سوال کرنے کا موقع دیا ہے۔ کیا دہلی کے سب ہی لوگ پاگل ہو گئے

ہیں؟ کیاان میں انسانیت کی کوئی رمق نہیں بچی ہے؟ کیا ملک کی محبت اور اس کی آزادی سے ان کو اب کوئی تعلق نہیں رہا ہے؟

یہ آزادی اپنی جلو میں اتنا دکھ، اتنی نفرت اور اتنی پریشانیاں کیوں لائی؟ دوسرے ان کی طرح روادار اور ایک دوسرے کی اقدار و روایت کا احترام کرنے والے کیوں نہیں تھے؟ یہ خاندانوں اور دوستوں کی اذیت ناک علاحدگی کیوں؟ ان کی دوستی کو کیا ہوا، ان کی برادریوں کا تانا بانا کہاں گیا، وہ طبقاتی یکجہتی، جس کا تذکرہ مارکس نے بڑی تفصیل سے کیا ہے، کیا ہوئی؟ تقسیم کیوں؟ یہ نہرو، آزاد اور پٹیل، سارے جہاں سے اچھا ہندستان ہمارا کی چیر پھاڑ پر خاموش کیسے رہے؟ اختلاف کے یہ بیج کیا استعماری حکومت نے بوئے تھے؟ اگر ایسا ہے تو ایک قدیم تہذیب کے وارثوں نے انھیں ایسا کرنے کیوں دیا؟ دوسرے الفاظ میں 'بانٹو اور حکومت کرو' (Divide and Rule) کی پالیسی پر عمل در آمد کیسے ہوا؟ کیا ہندستان کے عوام اتنے توانا اور مضبوط نہیں تھے کہ وہ ملک و قوم کو متحد اور خود اپنے گھر کو سلیقے سے رکھ سکتے؟ یا پھر ان کے اُن لیڈروں نے انھیں چھوڑ دیا جنھوں نے ایک سیکولر سماج کے نظریے کو عملی جامہ نہیں پہننے دیا؟ یا شاید یہ نظریہ خود ہی الجھا ہوا تھا جیسا کہ محمد علی جناح اور ہندو قوم پرستی نے بہت خوش ہو کر دنیا کے سامنے اعلان کیا تھا۔ کون جانے؟ نہرو کے پسندیدہ موضوعات ہمہ ثقافتیت اور سیکولرزم کہاں گئے؟ آخری تجزیے کے طور پر کیا ملک ان تخصیصی اور ثقافتی رجحانات کو جھیلنے کے لیے پورے طور پر تیار نہ تھا؟ اگر نہیں تھا تو پھر گوتم بدھ، اشوک، اکبر اور گاندھی کے ہندستان کے لیے پردۂ غیب میں کیا ہے؟

جگ موہن اور پردیپ کو ان سوالوں نے ہفتوں نہیں مہینوں پریشان و مضطرب رکھا۔ حقیقت جاننے کے اپنے جوش میں انھوں نے حضرت گنج کے یونیورسل بک ڈپو سے کتابیں خریدیں اور رات بھر بیٹھے پڑھتے رہے۔ تاریخ کے بارے میں کچھ بہت نہ جاننے کے باوجود وہ جیمس مِل کی ہسٹری آف برٹش انڈیا اور رای تھامس اور جی ٹی گیرٹ کی کتاب رائز اینڈ فُل فِل منٹ آف برٹش رُول ان انڈیا میں استعماری تعصب سے ڈرے سہے ضرور۔ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا معلوماتی تھی مگر انتہائی دقیق۔ آر سی موجمدار، ایچ سی رائے چودھری اور کے کے دتہ کی کتاب این اڈوانسڈ ہسٹری آف انڈیا، مسخ شدہ واقعات اور غلط بیانیوں سے بھری ہوئی تھی۔ واحد کتاب جس کے پڑھنے میں انھیں لطف آیا وہ تھی تاراچند کی انفلوانیس آف اسلام آن انڈین کلچر۔

ایک دن سہ پہر کے وقت پردیپ نے جگ موہن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، "جگ، ان میں سے بہت سے تاریخ داں ماضی کی زبان میں بات کرتے ہیں بلکہ عموماً فرسودہ زبان میں۔ ڈاکٹر تاراچند ایک استثنیٰ ہیں، میں ان کے وسیع نقطہ نظر سے اتفاق کرتا ہوں، کیوں نہ ہم اپنے تاریخ داں دوست سے رجوع کریں؟"

تینوں دوست ہفتے میں ایک یا دو بار ملتے اور گھنٹوں باتیں کرتے، بے شمار چائے کی پیالیاں ختم کرتے اور کلچے اور کباب کھاتے۔ اُس اتوار وہ چوک میں ملے۔ سورج ابھی ابھی ڈوبا تھا اور اکتوبر کی ٹھنڈی ہوا نے ان کی روحوں میں تازگی اور نئی زندگی پھونک دی تھی۔ لکھنؤ کے شرفا کے رفاہ عام کلب سے گزرتے ہوئے انھوں نے نئی لگائی ہوئی گھاس کو سبزی مائل ہوتے دیکھا، درختوں میں نئی کونپلیں پھوٹتی اور کلیوں کو کھِلتے ہوئے دیکھا۔ پردیپ اپنی ظاہری سج دھج کے بارے میں عموماً لاپرواہ رہتا تھا، وہ اکثر بے استری کے سوٹ، شکنیں پڑی ہوئی قمیصوں اور بے جوڑ رنگ کے موزوں میں ہی گھر سے باہر چل دیتا تھا۔ اس شام وہ اپنی نیلی شیروانی میں بڑے سلیقے سے ملبوس تھا۔ "پانیر" اخبار اس کے ہاتھ میں تھا جسے اس نے ابھی تک پڑھا نہیں تھا کہ اچانک بغیر کسی تحریک یا ترغیب کے اس نے بولنا شروع کر دیا۔

"یہ تاریخ داں بھی کیا بکواس کرتے ہیں! ہم انگریزوں کو کیوں دوش دیں؟"

چائے کی پیالیوں، میٹھے بسکٹوں اور دیر رات پراٹھے کبابوں پر ہونے والی گفتگو کا مرکز انگریزوں کے دور میں تاریخ نویسی کا موضوع تھا۔ بہت سے نام زیر بحث آئے۔ لین پول، ڈبلیو ایچ مورلینڈ اور ونسنٹ اسمتھ۔ بعد کو گفتگو کا رخ ترکی اور مغل عہد کے جائزے اور ہندوؤں پر جزیہ دینے کی پابندی، مندروں کی شکست وریخت، جبری قبولِ اسلام اور سلطان محمود غزنی اور اورنگ زیب اور غیر مسلموں کے خلاف جہاد کرنے کے الزام کی طرف مڑ گیا۔ مگر ایسا لگتا تھا کہ پردیپ کو بہر حال یہ جاننے میں زیادہ دلچسپی تھی کہ آخر محمد بن تغلق، کشمیر کے زین العابدین اور دکن کے متعدد ان حکمرانوں کا تذکرہ کیوں نہیں ہوتا جنھوں نے بہتر نظام چلایا۔ آرٹ اور تخلیقی ادب کی سرپرستی کی اور دوسرے لوگوں کے مذہبی عقائد و رسوم کا احترام کیا۔

"بالکل درست" جگ موہن نے نہایت خوش دلی سے اتفاق کیا، "ہمارے رنجیت سنگھ ایسے ہی تھے۔ فقیر عزیزالدین ان کے وزیر اعظم تھے۔"

عزیز نے بغیر کچھ بولے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"جیسا کہ تم جانتے ہو" پردیپ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، "ہم کائستھ ہیں، میرے پتاجی فارسی، اردو اور ہندی پڑھتے ہیں اور امیر خسرو، ملک محمد جائسی، کبیر، رحیم اور رس خان کا کلام سناتے ہیں۔ آخر ان سب کے بارے میں ہم اپنی تاریخ کی کتابوں میں بات کیوں نہیں کرتے؟

میں نے اُن سے معین الدین چشتی اور نظام الدین اولیا کے بارے میں سنا ہے۔ "ایک ایسے زمانے میں جب فرقہ پرستی عام ہے، ان ہی کے محبت اور انسانیت کے پیغام کو وسیع پیمانے پر پھیلانا چاہیے۔"

جگ موہن نے سر ہلایا، "صرف اسی وقت کیوں؟ ایک ہمارے جیسے وسیع اور متنوع سماج میں، ہمیں فرقوں کی باہمی ہم آہنگی کے تذکروں کو چھیڑنے کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ جینیوں اور بدھ متیوں کے خلاف برہموں کی جارحیت یا مسلم حکمرانوں کے ہاتھوں ہونے والی مندروں کی شکست و ریخت کی کہانیوں کو دہرانے سے کیا حاصل؟ Syncretism اور Pluralism جیسے بھاری بھرکم الفاظ میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔" مگر میں یقیناً یہ سمجھتا ہوں کہ تنوع میں اتحاد و یک رنگی واحد نصب العین ہے جو ہماری عوامی زندگی میں ہمیشہ ہمارا رہنما ہونا چاہیے۔ بصورت دیگر مجھے ڈر ہے کہ ہم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے گر پڑیں گے۔"

"تکلف بر طرف، سچ تو یہ ہے کہ مجھے متعصب تاریخ دانوں کی تحریروں اور لکھنؤ میں مسلم لیگیوں کے بیانات میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔ دونوں ہی متعصب بھی ہیں اور تنگ نظر بھی۔" عزیز نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"یار، شکر ہے کہ تم بولے تو۔ آج کل تم عموماً خاموش رہتے ہو۔" پردیپ نے مُنڈے کا چوتھا کباب ختم کرتے ہوئے کہا۔

"ارے جگ، تم نے اس کشمیری چائے کا کیا حشر کر دیا؟"، عزیز خوش مذاقی سے بولا۔

"تم اتنے ذہین ہو" پردیپ نے اضافہ کیا، "اپنے خیالات و نظریات میں اتنے متوازن ہو، تمھاری معلومات بھی ہم سے زیادہ ہے، مزید یہ کہ تمھارا شمار صفِ اوّل کے تاریخ دانوں میں ہوتا ہے پھر آخر اپنے خیالات سے ہمیں آگاہ کیوں نہیں کرتے، ان میں ہمیں شامل کیوں نہیں کرتے ہو؟"

عزیز نے شرماتے ہوئے اپنا چشمہ اتار لیا اور بولا۔

"ہاں، ٹھیک ہے، میرا خیال ہے کہ شاید دو تین برس ہوئے، فرانسیسی تاریخ داں Fernand Braudel نے سوال کیا تھا کہ کیا اپنے فرائض اور اپنے بے پناہ اثر و رسوخ کا شعور رکھنے والے اولوالعزم مورخین کے بغیر تاریخ کا کوئی مطالعہ ہو سکتا ہے۔ ایڈمانڈ فارال (Edmond Faral) کے تاثرات کا حوالہ دیتے ہوئے Braudel نے مزید اضافہ کیا ہے کہ عظیم تاریخ کا یہ خوف کہ یہ پھر اپنے کو دُہرانہ دے، ہی تھا جس نے عظیم تاریخ کا قتل کیا۔"

گفتگو میں جب بھی کوئی نام آیا، جگ موہن کی آنکھیں انتہائی متوجہ ہونے کی وجہ سے نیم وا رہ گئیں۔

"مجھے اب جانا چاہیے" عزیز نے اچانک کہا۔ اس نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا اور جلدی سے ناک پر چشمے کو درست کیا، "ہاں بنّے بھائی (سجاد ظہیر) کل لکھنؤ آ رہے ہیں۔ ہمارے شعلہ بیان مقرر کمیونسٹ نیتا شفیق نقوی اور ان کے پرجوش پیرو انور جمال قدوائی نے ان کے لیے ایک جلسے کا اہتمام کیا ہے۔ پولیس اور سی آئی ڈی والوں سے بات کرتا ہے۔ یہ حضرات بہر حال پرانے پاپی ہیں اور ہر حکومت کے لیے، وہ چاہے بدیسی ہو یا دیسی، آنکھ کا تنکا ہیں۔ کیا تم نے نہرو کے اپنے سوشلسٹ اور کمیونسٹ سابق ساتھیوں کے بارے میں حقارت آمیز اور ناقابلِ قبول کلمات نہیں پڑھے؟ بہر حال کیا تم اپنے تاریخ کے مطالعے کا سلسلہ بدستور چلا رہے ہو؟ یہ کتابیں جو تم نے خریدی ہیں ان میں تو کافی پیسے لگ گئے ہوں گے۔ مجھے امید ہے کہ یہ اُس قسم کی کتابیں نہیں ہیں جن پر اکبر الہٰ آبادی نے پابندی عائد کر دی ہوتی۔ یعنی

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے بیٹے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

پردیپ نے بڑے زور کا قہقہہ لگایا۔

"پیسے کا معاملہ نہیں ہے"، اس نے بڑے مہذب انداز سے کہا، "مسئلہ ہے ہمارے خوفناک جہل اور ناواقفیت کا۔ دہلی کے سفر کے بعد احساس ہوا کہ خود اپنے وجود کے قیام اور اپنی اقدار کے تحفظ کے لیے ماضی سے رابطہ رکھنا کتنا اہم تھا۔ اس سے کیا ہوتا ہے اگر ہم میں سے ایک انجینئر ہے، یا ایک ڈاکٹر۔ ہمیں بھی اپنے لیے جگہ پیدا کرنی ہوگی اور اس کے لیے ہمیں خود اپنی تاریخ سے متعارف ہونا ہوگا۔ ادھر کچھ دنوں سے میں سنجیدہ کتابیں پڑھ رہا ہوں، جن میں برٹرانڈ رسل کی Sceptical Essays بھی شامل ہے۔ کل میں نے امین آباد میں پرانی کتابوں کی ایک دکان سے ٹوائن بی کی کتاب 'اے اسٹڈی آف ہسٹری' کا پہلا اڈیشن خریدا ہے۔

شام کے ڈھلنے کے ساتھ اور دوست آنے لگے، ان میں ہمایوں بھی تھا۔

"حضرات حسنِ اتفاق دیکھیے"، ہمایوں نے جو اپنی والدہ کو لکھنؤ میں کسی ڈاکٹر کو دکھانے لایا تھا، اعلان کیا، "کہ میں نے بھی Braudel کی کتاب خریدی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ساحل پر ریسرچ کرنے والے سمندر اور اس کی پیچیدگیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتے"۔ "اکثر مصنفین" اس کے کہنے کے مطابق چند شہزادوں، چند امراء کے قول و فعل اور ماضی کے غیر اہم اور سطحی واقعات ہی میں الجھے ہوئے ہیں۔ یہ ساحل کی زندگی کی عظیم تحریکوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ Braudel کی خود اپنی دلچسپی تاریخ کی آہستہ خرام اور

توانا پیش رفت کو منکشف کرنے میں ہے۔"

"عزیز بھائی، آؤ ہم تاریخ کی آہستہ خرام اور توانا پیش رفت کی کیفیت کو محسوس کریں۔ آؤ آؤ، رات جوان ہے۔ تم بھی اپنی موقر و مستند رائے دو"۔

پردیپ نے اصرار کیا، "گلوں میں رنگ بھرے باد نو بہار چلے۔"

عزیز مسکرایا اور اس سے پہلے کہ جانے کے لیے اٹھے، جگ موہن نے اس کے ہاتھ میں چائے کی ایک اور پیالی تھما دی۔

شکریہ، عزیز نے زیر لب کہا۔

"ایک منٹ" یہ کہتے ہوئے پردیپ سامنے سے گزرتے ہوئے اپنے دوست کو ہیلو کہنے کے لیے اٹھ گیا۔ واپسی پر چائے کی پیالی ہاتھ میں لیے ہوئے اس نے اپنی بات جاری رکھی، "تم نے جو مصرعہ پڑھا وہ فیض احمد فیض کا ہے۔ ہے نا؟ میں نے انھیں ایک دفعہ سنا ہے، ان کے ساتھ جوش ملیح آبادی، فراق گورکھپوری اور مجاز بھی تھے۔ جوش نے جو اشعار سنائے تھے وہ مجھے آج بھی یاد ہیں۔

پھولوں کی اگر ہوس ہے خاروں کو نہ دیکھ
عشرت کی ہے دُھن تو سوگواروں کو نہ دیکھ
تعمیر حیات ہے پیشِ نظر
مڑ کر بھی مٹتے ہوئے مزاروں کو نہ دیکھ

جس مشاعرے میں اس نے یہ اشعار سنے تھے، اس کے سحر میں ایک بار پھر گھر کر اس نے بڑے جذباتی انداز میں اردو ادب کو انقلاب اور آزادی کا ادب قرار دیا اور بتایا کہ کس طرح ہندستان اس حیات بخش چشمے سے سیراب ہوتا رہا ہے۔ اردو کے، جارحانہ ہندی پرستی کا شکار ہونے پر اسے طیش تھا، اس نے اس بات پر بھی دُکھ کا اظہار کیا کہ میر، غالب اور اقبال کی زبان آج کس طرح صرف مسلمان بستیوں کے گلی کوچوں میں سسک سسک کر زندہ ہے۔

ہمایوں نے سگریٹ سلگائی، ایک لمبا کش لیا، نتھنوں سے دھواں نکالا اور بولا، "خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے"۔

"واہ واہ"، کسی قدر افسردہ لہجے میں جگ موہن نے تعریف کی۔

"بڑی حیرت ہوتی ہے کہ ایسی متمول ادبی وراثت والی ایک خوبصورت دیسی زبان کس طرح خود ہمارے صوبے میں بغض و عداوت کا شکار ہوئی ہے۔ اردو بولنے میں کائستھوں، کشمیری پنڈتوں اور پنجابیوں کی روانی دیکھو۔ تو پھر آخر اردو پر صرف مسلمانوں کی زبان ہونے کا الزام کیوں؟ ہم مشترکہ تہذیب کی، کمپوزٹ کلچر کی بات کرتے ہیں، مگر پھر بھی یہ کھدر دھاری دائیں بازو کے کانگریسی اس کی زہر آلود مخالفت کرتے ہیں۔ کیا ہوا اگر اردو بولنے والوں کے کسی حلقے نے مطالبہ پاکستان کی حمایت کر دی؟ بہت سے پنجابی اور بنگالی بولنے والوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا، تو پھر صرف اردو ہی کیوں ہدف بنے؟ کیا یہ ہمارے ثقافتی ورثے کا حصہ نہیں؟"

"حضور"، ہمایوں نے بڑے فخریہ انداز میں وضاحت کی، "آپ عوام کے دلائل کی کوتاہیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور ماچس کی تیلیوں سے بنے ہوئے محل کی طرح مسمار کر دیتے ہیں۔

اپنی ہنسی کو ضبط کرتے ہوئے پردیپ بولا، "You're on"

"کیوں؟" عزیز نے سوال کیا، "کیا ہم غالب کو بھول گئے ہیں؟ اس نے تو مسلمان سامعین یا اردو جاننے والے قارئین کے لیے نہیں لکھا۔ ایسی تفریق اس کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ مذہبی اصولوں اور عقیدوں اور روایت پرستی کی پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد رکھنے پر انھیں فخر تھا۔ اور اسلام کے ظاہری آداب و رسوم کے لیے ان کے دل میں کم ہی جگہ تھی۔ بنارس میں ہولی کے جشن دیکھ کر وہ مسرور ہو گئے تھے اور ہندوؤں کے اس مقدس شہر کو ہندستان کا مکہ قرار دے دیا تھا۔

"تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو"، ہمایوں نے اعلان کیا، "ان کی اس وسیع النظری کا ثبوت منشی ہرگوپال تفتہ کے نام ان کا وہ خط ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ وہ ساری نوع انسانی کو اپنا رشتہ دار اور تمام مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کو اپنا بھائی گردانتے ہیں۔ انھوں نے نہ تو فرقہ بندی کا کوئی طعنہ لگایا اور نہ ہی فرقہ پرستی کا کوئی انداز اپنایا۔ 15/ فروری 1869 میں جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے جنازے میں بے شمار ہندوؤں، مسلمانوں، شیعوں اور سنیوں نے شرکت کی"۔

(مترجم: مسعود الحق)

مصنف کا پتا:
139, Uttarakhand, J.N.U., New Delhi - 110 067

جان کمپنی سے جمہوریہ تک

ممتاز مورخ پروفیسر مشیر الحسن نے اس کتاب میں جدید ہندستان کی تاریخ افسانوی طرز پر اور مکالماتی انداز میں پیش کی ہے۔ تاریخ یوں بھی دلچسپ موضوع ہے لیکن پروفیسر مشیر الحسن کے اختیار کردہ طریق کار نے کتاب کو مزید دلچسپ بنا دیا ہے اور تاریخی واقعات پر کرداروں کے نجی ردِ عمل نے جو مختلف طبقات کی نمائندگی کرتے ہیں، اسے ایک نئی جہت دے دی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، 345 صفحات، قیمت: 114 روپے

رتن ناتھ سرشار

("فسانۂ آزاد" جلد اوّل سے اقتباس)

چلّو میں الّو

میاں آزاد ایک روز چلے جاتے تھے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک چوراہے کے نکڑ پر بھنگ والے کی دکان ہے اور اس پر ان کے ایک لنگوٹیے یار بیٹھے ڈینگ کی لے رہے ہیں۔ کہ ہم نے جو خرچ کر ڈالا وہ کسی کو پیدا کرنا بھی نصیب نہ ہوا ہوگا۔ لاکھوں کمائے کروڑوں لٹائے، کسی کے دینے میں نہ لینے میں۔ اتنے میں میاں آزاد نے جھک کر کان میں کہا: واہ بھئی استاد کیوں نہ ہو، لفاظی کے صدقے، اچھی لن ترانیاں ہیں۔ بابا تو آپ کے عمر بھر فالودہ بیچا کیے، اور دادا جوتے کی دکان رکھتے رکھتے بوڑھے ہوئے، آپ نے کمایا کیا اور لٹایا کیا۔ یاد ہے کہ ایک دفعہ ساڑھے چھ روپے ماہواری کی محرری پائی مگر اس سے بھی نکالے گئے۔ اب آپ ڈینگ کی لے رہے ہیں۔ اس نے کہا آپ بھی نرے گاؤدی ہیں۔ ارے میاں اب گپ اڑانے سے بھی گئے گزرے۔ بھنگ والے کی دکان پر بندۂ درگاہ تہذیب کو رفو چکر کر دیتے ہیں۔ تہذیب آئے تو بھنگ گھونٹنے کا سونٹا ہی لگاؤں، اور پھر اتنا تو سمجھو کہ یہاں ہمیں جانتا کون ہے۔ بھئی خیر بیٹھو یا جاؤ مگر از برائے خدا ہتھے پر نہ ٹوکو۔ میاں آزاد تو ایک سیلانی آدمی تھے۔ خود بھی تپائی پر ٹنک گئے۔ تو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک درخت کے تلے چھپر پڑا ہے مگر سرکی کا۔ صاف ستھرا ایک تخت بچھا ہے۔ دو تین تولیاں دو ایک گھڑے، ڈول رسی، لوٹے کونڈی بھنگ بھری دھتورا، شکر کالی مرچ، یہ سب سامان موجود ہے۔ بھنگ والا سِل پر رگڑے لگا رہا ہے گٹے رگڑا مٹے جھگڑا۔ دو چار بگڑے دل دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ نہایت بیتابی سے غل مچا رہے ہیں۔ کہ واتا تیری دکان پر ہُن برسے۔ ہاں، ہاں، ایسی چکی پلا جس میں جوتی کھڑی ہو۔ آج تو دھتورا بھی چاہے ذرا سا گھمز دے۔ ہاں جس میں خوب سرور گھٹیں۔ ارے تیری دکان کے تو چوہے بھی بھنگیری ہوں گے۔ بھنگ والے نے دو تین کو خوب گاڑھی بوٹی پلائی۔ وہ رفو چکر ہوئے تو دو چار آئے۔ اتنے میں میاں آزاد کے دوست نے جن کو لوگ موٹاپے کے سبب سے بھد بھد کہا کرتے تھے، یوں ہانک لگائی: استاد آج تو دودھیا پلواؤ۔ مگر خوب چکی ہو۔ پیتے ہی لے اڑے، چلو میں الو ہو جائیں۔ استاد تو ان ایسوں کی قبر تک سے واقف تھے۔ دودھیا میٹھی کیوڑے سے بسی ہوئی پلائی۔ پہلے تو میاں آزاد نے کہا کہ کیا! بھنگ، نشے کی چیز، نا صاحب توبہ توبہ! عطائے تو بلقائے تو بخشیدم۔ بندہ درگذرا۔ تلی بخشے چوہا لنڈورا ہی جی جائے گا۔ نشے کا تو میں جانی دشمن ہوں۔ زر دادن و درد سر خریدن۔ کونسی دانائی ہے دام خرچ کر کے الو بننا۔ ذی ہوش ہو کر بے ہوشی کو ترجیح دینا۔ آدمی سے اونٹ بن جانا، انسانیت سے اپنے کو خارج کر دینا، حماقت ہے یا نہیں؟

بھد بھد: تو یہ کہیے، چنیں و چناں کے پھندے میں پھنس گئے اور پڑھو۔ کہتے ہیں رفتہ رفتہ پاگل ہو جاؤ گے۔ لے اب پہلے تو آپ فصد کھلوائیں، پھر دماغ کا علاج کریں، میاں!

بہار عمر ملاقات دوستداران ست
چہ خطہ برو خضراز عمر جاوداں تنہا

ایک کھنڑ پیو۔ دیکھو تو کیسے سرور گھٹتے ہیں۔ نہ پیے تو ہمارا ہی خون پیے۔

بھد بھد نے اپنے ایک دوست ہر بھج کو پلا دی اور سب مل کر چلے۔

بھد بھد: یہ چھوہارے کا پیڑ ہے۔

آزاد: ہاں ہم خرما ہم ثواب۔

بھد بھد: کیا خوب۔

آزاد: تسلیم!

راستے میں ہر بھج نے پوچھا کیوں یار یہ کون محلہ ہے؟ جی چینی بازار ہے۔ واہ کہیں ہو نہ۔ یہ چینا بازار ہے(1)۔ ماشاء اللہ یہ نیا نام سنایا۔ چینا بازار کیسا، چینی بازار ہے۔ آپ تو کہنا نہیں مانتے۔ کہتے ہیں کہ چینا بازار ہے۔ کیا؟ کہتے ہیں؟ آپ ہیں کون جو کہتے ہیں۔ ہم گلی گلی، کوچے کوچے، چپے چپے سے واقف ہیں۔ آپ ہمیں راستہ بتاتے ہیں۔ اے تیری قدرت! اسی شہر میں پیدا ہوئے۔ اسی میں عمر بھر رہے۔ اسی میں اتنے بڑے ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں چینا بازار، اور نہیں تو کیا آپ کی طرح چینی بازار کہیں۔ ناقبلہ بندۂ درگاہ کی زبان سے غلط لفظ نہ نکلے گا۔ جی ایسے ہی تو آپ بڑے محقق ہیں۔ لے خبردار اب چینا بازار نہ کہیے گا۔ میرے سامنے گنوار سا ہے۔ ابے چینا بازار کے کیا معنی مردک؟ ہائیں کیا بکا۔ مردک! یہ مردک کسے کہا؟ میری شان میں اور یہ کلمہ شہید مردوں سے بھی دل لگی۔ اچھا کسی ثالث سے پوچھو۔ آزاد نے دونوں کو سمجھایا کہ کیوں لڑے مرتے ہو۔ مگر سنتا کون تھا۔ اس وقت سامنے سے ایک آدمی چلا آتا تھا، آزاد نے بڑھ کر پوچھا کہ او میاں جانے والے

● فسانۂ آزاد کلاسیکی اہمیت کی حامل کتاب ہے۔ فنی اعتبار سے یہ داستان اور ناول کے درمیان کی صنف ہے۔ فسانۂ آزاد نہ صرف زبان و بیان اور معاشرے کی عکاسی کی وجہ سے بلکہ اپنے دلچسپ کرداروں کے اعتبار سے بھی پرکشش ہے۔ فسانۂ آزاد کا دوسرا ایڈیشن زیرِ طبع ہے۔

ہوت! بھلا یہ کون محلہ ہے؟ اس نے کہا کہ چینا بازار۔ اب بھد بھد اور ہر بھج دونوں نے اس کو دق کرنا شروع کیا۔ چینی بازار کے چینا بازار؟ بولو، جلد بولو، چینا بازار کہ چینی بازار، بتاؤ جھٹ پٹ! چینا بازار کہ چینی بازار، چینی بازار یا چینا بازار، سو سو دفعہ پوچھ رہے ہیں کہ چینی بازار یا چینا بازار، اور آدھ کوس تک اس کے ساتھ گئے۔ اس بچارے کو ان بھنگڑ سلطانوں سے پیچھا چھوڑانا مشکل ہو گیا۔ بار بار ڈپٹ رہے ہیں کہ چینی بازار یا چینا بازار۔ اس نے صدہا مرتبہ کہہ دیا کہ صاحب چینا بازار اور چینی بازار دونوں صحیح ہیں۔ مگر ان کو تو کچے گھڑے کی چڑھی تھی۔ انھوں نے سوائے اس کے اور کچھ بات ہی نہ کی کہ چینی بازار یا چینا بازار۔ جب آدھ کوس تک اس بچارے رہرو کو رگید لے گئے، اور چینی بازار اور چینا بازار سنتے سنتے اس کے کان تک پک گئے تو وہ جھلایا۔ اور ڈانٹ کر بولا کہ چپ رہو بد معاش۔ چینی بازار اور چینا بازار دونوں کی ایسی تیسی، اور تمھاری ساتھ لے کر۔ اب بولے تو ہم کھوپڑی پر ایک زنداجمائیں گے۔ نامعقول، ہم کو بناتا ہے۔ ہم کوئی گنوار نہیں۔ تم اپنے دل میں سمجھے کیا ہو۔ ابھی آواز دوں تو تین سو تلورئے تلواریں سوت سوت کر آن موجود ہوں۔ ایک گھنٹے سے جان عذاب میں کر دی کہ چینا بازار یا چینی بازار۔

ہت ترے بھد بھد کی ایسی تیسی۔ کہتے تھے مردک سے کہ ہم کو نہ پلا، نہ مانا۔ دیکھ بھنگ سے کیسی مت بھنگ ہوئی۔

حواشی:

(۱) چینا بازار لکھنؤ کا ایک محلہ تھا۔ پرانے زمانہ میں یہاں بازار بھی تھا۔ اب نہ بازار ہے نہ محلہ، ایک شاہی زمانہ کا ایک بڑا سادو منزل کا دروازہ موجود ہے جو چینا گیٹ کہلاتا ہے، دوسری منزل پر محض اداروں کے دفاتر ہیں۔ نورانی

□□□

پروفیسر گوپی چند نارنگ کی گراں قدر علمی و تحقیقی کتاب

ہندستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں

مکمل طور پر نظر ثانی شدہ اور اضافہ شدہ نیا ایڈیشن

"ہندستانی قصوں سے ماخوذ اُردو مثنویاں" ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا کارنامہ ہے۔ اُردو مثنویوں میں جو فضا اور ماحول ہے، اس کی طرف ابھی تک بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ ڈاکٹر نارنگ نے اس کمی کو دور کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور نہایت تلاش اور تحقیق سے اُردو مثنویوں کی ہندستانی بنیاد کا جائزہ لیا ہے۔ نارنگ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، اس کے سارے گوشوں پر نظر رکھتے ہیں۔ انھوں نے تحقیق کے ان نوادر کو جو نظروں سے اوجھل تھے، یکجا کر کے ایک داستان مرتب کی ہے، جس میں معلومات کے ساتھ دل کشی بھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اردو کی ہندستانی بنیاد اور تہذیبی رنگ کو واضح کرنے میں یہ کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی"۔ آل احمد سرور

صفحات:364 قیمت:200روپے

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ویسٹ بلاک۔1، آر. کے. پورم، نئی دہلی110066

اے. این. شبلی

کیریئر گائیڈنس

کمپنی سکریٹری کے طور پر بنائیں کیریئر

چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کی طرح کمپنی سکریٹری کا کورس کرنے کے لیے بھی ہندستان میں صرف ایک ہی ادارہ ہے۔ اسی کے علاقائی مراکز ہندستان اور دوسرے شہروں میں بھی ہیں۔ اس ادارہ کا نام "دی انسٹی ٹیوٹ آف کمپنی سکریٹریز آف انڈیا" (ICSI) ہے۔ اس کا صدر دفتر دلی میں ہے۔ دلی میں صدر دفتر کے علاوہ اس کے چار علاقائی مراکز دہلی، کولکاتا، ممبئی اور چینئی میں ہیں۔ اس ادارے کا قیام، اس پیشے کی ترقی کے لیے کمپنی سکریٹریز ایکٹ 1980 کے تحت کیا گیا تھا۔ علاقائی مرکز کے تحت کام کرنے والی شاخیں مختلف شہروں میں ہیں۔ شمال میں یہ شاخیں فرید آباد، چنڈی گڑھ، غازی آباد، جے پور، کانپور، لدھیانہ، لکھنؤ، مودی نگر، نوئیڈا، شملہ اور ادے پور میں ہیں۔

مشرق میں اس کی شاخیں بھوبنیشور، گوہاٹی، جمشید پور، پٹنہ اور رانچی میں ہے۔ جنوب میں یہ شاخیں کوئمبتور، بنگلور، کوچین، مدورئی، حیدر آباد، منگلور، میسور، تروچوراپلی، پانڈیچیری، تیروانتھ پورم اور وشاکھا پٹنم میں ہیں۔ مغرب میں اس کی شاخیں احمد آباد، بڑودہ، بھوپال، گوا، ناگپور، پونے اور سورت میں ہیں۔ ان کے علاوہ کئی ذیلی شاخیں آگرہ، گڑگاؤں، الہ آباد، میرٹھ، جودھپور، وارانسی، بریلی، ناسک، وجے واڑہ اور رائے پور میں واقع ہیں۔

ہندستان میں کمپنی سکریٹری بننے کے لیے ICSI کا ممبر ہونا ضروری ہے۔ ممبر بننے کے لیے اس ادارے کے ذریعے منعقد امتحان میں کامیابی حاصل کرنی ہوتی ہے۔ پہلے اس کورس میں صرف گریجویٹ ہی حصہ لے سکتے تھے۔ مگر اب فاؤنڈیشن کورس بھی شروع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد انٹرمیڈیٹ اور پھر فائنل امتحان ہوتا ہے۔

فاؤنڈیشن کورس

اس میں بارھویں پاس طالب علم داخلہ لے سکتا ہے۔ ان امیدواروں کو بھی عارضی داخلہ مل جاتا ہے جنھوں نے بارھویں کا امتحان تو دے دیا ہے مگر ابھی رزلٹ آنا باقی ہے۔ ایسے امیدوار کو داخلہ ملنے کے چھ ماہ کے اندر رزلٹ جمع کرنا پڑتا ہے۔

فاؤنڈیشن کورس کے لیے رجسٹریشن سال بھر ہوتا رہتا ہے۔ البتہ جو امیدوار 31 / مارچ کا رجسٹریشن کروالیتے ہیں، وہ اسی سال دسمبر میں امتحان دے سکتے ہیں۔ 30 / ستمبر تک رجسٹریشن کرانے والے امیدوار اگلے سال جون میں ہونے والے امتحان میں شامل ہو سکتے ہیں۔ فاؤنڈیشن کورس کے مضامین مندرجہ ذیل ہیں۔

1. English and Business Communication
2. Basic Economic and Business Environment
3. Financial Accounting
4. Elements of Business Laws and Management
5. Information Systems and quantitative Techniques.

کامیاب ہونے کے لیے سبھی مضامین میں چالیس، جبکہ کل ملا کر پچاس فی صد نمبر آنے ضروری ہیں۔ رجسٹریشن کے بعد ضروری Study Materials ڈاک کے ذریعے بھیج دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کلاسیں بھی منعقد کی جاتی ہیں مگر اس کی فیس الگ سے دینی پڑتی ہے۔ Study Material صرف انگریزی زبان میں ہی فی الحال موجود ہے، البتہ امتحان انگریزی اور ہندی دونوں میں دینے کی چھوٹ ہے۔

انٹرمیڈیٹ کورس

اس میں داخلے کے لیے پہلی شرط امیدوار کا 17 سال کا ہونا ضروری ہے۔ اس امیدوار کو فاؤنڈیشن کورس نہ کرنے کی چھوٹ مل جاتی ہے اور سیدھے انٹرمیڈیٹ میں داخلہ مل جاتا ہے جن کے پاس (اوّل) Corporate Secretary Ship یا کامرس کی ڈگری ہو۔ (دوئم) جو انسٹی ٹیوٹ آف چارٹرڈ اکاؤنٹنس آف انڈیا (ICAI) یا انسٹی ٹیوٹ آف کوسٹ اینڈ ورکس اکاؤنٹنس آف انڈیا (ICWA) سے فائنل پاس ہوں یا (سوئم) فائین آرٹس کے علاوہ کسی دوسرے سبجیکٹ میں ڈگری ہو۔

اس کورس میں بھی رجسٹریشن سال بھر ہوتا رہتا ہے۔ فروری کے اختتام تک رجسٹریشن کرالینے والے امیدوار اسی سال دسمبر میں امتحان دے سکتے ہیں اور جو اگست تک رجسٹریشن کرواتے ہیں وہ اگلے سال جون میں ہونے والے امتحان میں شامل ہو سکتے ہیں۔ انٹرمیڈیٹ میں چار چار کے دو گروپ میں کل آٹھ پیپر ہوتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

Group I

1. General and Commercial Laws.
2. Company Accounts and cost & Management Accounting.
3. Taxlaws.

4. Management Information System and Corporate Communication.

Group II
1. Company Law.
2. Company Secretarial Practice.
3. Economic Labour and Industrial Laws.
4. Securities laws and Regulation of Financial Markets.

فائنل کورس

فائنل میں تین تین کے گروپ میں کل نو پیپر ہوتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

Group I
1. Advanced Company law and practice.
2. Secretarial practice relating to economic laws and drafting & conveyancing.
3. Secretarial,, Management and System Audit.

Group II
1. Financial Treasury and Forex Management.
2. Corporate Restructuring - Law and practice.
3. Banuing and Insurance - Law and practice.

Group III
1. World trade Organisation - International trade, joint ventures and foreign collaborations.
2. Direct and Indirect taxations - Law and Practice
3. Human Resource Management and Industrial Relations.

فائنل کے بعد چار ماہ کی لازمی ٹریننگ ہوتی ہے جس میں تین مہینے کسی کمپنی کے Secretarial Division پندرہ دن کا خاص سکریٹری سطح کا اور پندرہ دن کا اسٹاک ایکسچینج میں ٹریننگ شامل ہے، اس کے بعد امیدوار باضابطہ اس ادارہ کا ممبر بن جاتا ہے۔

کورس مکمل کرنے کے بعد نوکری کی کمی نہیں ہے۔ قانون کے مطابق پچاس لاکھ سے زائد کی شیئر پونجی والی کمپنی کے لیے کمپنی سکریٹری رکھنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مختلف کمپنیاں، ٹرسٹ، سوسائٹی اور دوسرے ادارے بھی کمپنی سکریٹری رکھنا پسند کرتے ہیں۔ بینکوں میں بھی کمپنی سکریٹری کی مانگ ہوتی ہے۔ کمپنی سکریٹری کا کورس کیے ہوئے طالب علم یونی ورسٹیوں میں Ph.D میں بھی داخلہ لے سکتے ہیں۔ ICSI سے پریکٹس سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے بعد آزادانہ پریکٹس بھی کی جاسکتی ہے۔ کل ملا کر یہ ایک باعزت پیشہ تو ہے ہی، اس میں پیسے کی بھی کمی نہیں ہے۔

یہ کورس اور کورسیز کی طرح بہت آسان نہیں ہے۔ البتہ اگر محنت کی جائے تو زیادہ مشکل بھی نہیں ہے۔ اس سلسلے کی کوچنگ سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

کمپنی سکریٹری کے تعلق سے مزید جانکاری کے لیے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ قائم کریں۔

1. The Institute of Company Secretaries of India
   ICSI House, 22, Institutional Area. Lodhi Road, New Delhi-110003.
2. ICSI
   Eastern India Regional Council
   3-A, Ahiripukur Ist Lane
   Kolkata-700019.
   Phone-2817873
3. Northern India Regional Council
   NIRC Building, PIA No. 4
   Prasad Nagar Institutional Area
   New Delhi-110005
   Ph. 5781672
4. Southern India Regional Council
   9- Wheat Crafts Road, Nungambakkam
   Chennai-600034
   Ph-8279306
5. Western India Regional Council
   No-13, Jouymaker Chambers
   No. II, Ist Floor, Naniman Paint
   Mumbai-400021.
   Ph-2021826

□□□

Azad Features, E-3, Abul Fazal Enclave, N. D. -25

جوابات کوئز :

1- ج	2- الف	3- ج	4- د	5- د	6- ب	7- الف	8- د	9- الف	10- ج
11- الف	12- ب	13- ب	14- ب	15- الف	16- ب	17- ب	18- الف	19- ب	20- د
21- د	22- ب	23- ج	24- ج	25- الف	26- الف	27- ج	28- الف	29- الف	30- ج
31- ب	32- ج	33- الف	34- ب	35- ب	36- د	37- ج	38- ج	39- ب	40- الف
41- الف	42- ب	43- د	44- ب	45- ب	46- د	47- الف	48- ب	49- ب	50- ج
51- ج	52- ج	53- ج							

عظیم صدیقی

کمپیوٹر کالم

مائکروسافٹ ورڈ

پیائشی پٹیاں (Rulers)

- اس پر کلک کرنے سے پیائشی پٹیاں اسکرین پر ظاہر یا غائب ہو سکتی ہیں جو آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

نقشہ دستاویز (Document Map)

- اس مقام پر کلک کرنے سے اس دستاویز کا نقشہ (Map) ظاہر ہوتا ہے جس میں آپ کام کر رہے ہیں۔ یہ بڑی دستاویزوں میں کام میں آتا ہے۔ اس میں ساری سرخیاں (Headings) سمٹ کر ایک طرف اکٹھی ہو جاتی ہیں جس سے آپ کو فہرستِ مضامین (List of Contents) بنانے اور دستاویز کو اس جگہ سے کھولنے میں آسانی ہوتی ہے جس جگہ آپ دستاویز میں ترمیم و تنسیخ (Editing) کرنا چاہتے ہیں۔ آپ جس سرخی پر بھی کلک کریں گے دستاویز وہیں سے کھل جائے گی۔

سرنوشتہ اور پانوشتہ (Header & Footer)

- سرنوشتہ / پانوشتہ صفحے کے اوپر یا نیچے صفحہ نمبر، باب نمبر، سرخی موضوع یا رسالہ کا نام وغیرہ درج کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔
- اس پر کلک کرتے ہی دستاویز کی ہیئت ہی بدل جاتی ہے اور اس کے سر اور پاؤں پر ایک مستطیل ظاہر ہوتا ہے جس میں کرسر جھلملا رہا ہوتا ہے۔ یہاں آپ اپنا سوچا ہوا سرنوشت یا پانوشت ٹائپ کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک لوحِ آلات نکل کر آتی ہے جس پر معینہ متن (Insert Auto Text) دخول کے علاوہ اور بھی آلات کی علامتیں ہوتی ہیں۔ ان کے قریب کرسر لاکر آپ ان کا استعمال دیکھ سکتے ہیں اور چاہیں تو استعمال کر سکتے ہیں۔
- Insert Auto Text پر کلک کرنے سے ایک فہرست نکلے گی۔ اس میں جس پر بھی کلک کریں گے وہی عنوان اس صفحہ پر آجائے گا جیسا کہ Author, Page # , Date وغیرہ پر کلک کرنے سے اس کی تفصیل آجاتی ہے۔
- دائیں ہاتھ کے دوسرے نشان پر کلک کرنے سے تزئین کاری صفحہ نمبر (Format Page Number) کا استفسار یہ نکل آتا ہے جس میں آپ (1) صفحہ نمبر کس طرز کا ہو، (2) کہاں سے شروع ہو، (3) کیا باب نمبر اس کے ساتھ ہو، (4) اگر ہو تو کس طرز کا ہو وغیرہ کے جواب لکھ کر ان کو صفحات پر نافذ کر سکتے ہیں۔ وسطی نشان پر کلک کرنے سے دستاویز کی نمبر شماری اور آخری نشان پر کلک کرنے سے صفحات پر نمبر آجاتا ہے۔
- گھڑی کے نشان پر وقت اور کلینڈر کے نشان پر کلک کرنے سے دستاویز پر تاریخ کا اندراج ہوتا ہے۔
- صفحہ کے نشان پر کلک کرنے سے متن غائب و حاضر ہو جاتا ہے اور کتاب کے نشان پر کلک کرنے سے صفحہ کی طرز (Page Set-up) میں ردوبدل کی جاسکتی ہے۔
- اس نشان پر کلک کرنے سے پرانا سرنوشت یا پانوشت واپس آجاتا ہے۔

- پہلے نشان پر کلک کرنے سے گزشتہ، دوسرے نشان سے حاضر سر نوشت یا پانوشت دیکھا جا سکتا ہے اور تیسرے نشان پر کلک کرنے سے سر نوشت سے پانوشت یا پانوشت سے سر نوشت پر تدوین کے لیے پہنچا جا سکتا ہے۔

پانوشت اور تبصرہ (Foot Notes & Comments)

- اس پر کلک کرنے سے دستاویز کے پانوشت یا تبصرے دیکھے جا سکتے ہیں۔

پردہ کامل (Full Screen)

- اس پر کلک کرنے سے صفحہ پورے اسکرین پر بڑا ہو کر پھیل جاتا ہے تاکہ اس کو تفصیل سے دیکھا جا سکے۔

مکبری (Zoom)

- اس کے استفساریہ میں اندراج کر کے متن کو حسب منشا بڑا یا چھوٹا کر کے دیکھا جا سکتا ہے۔

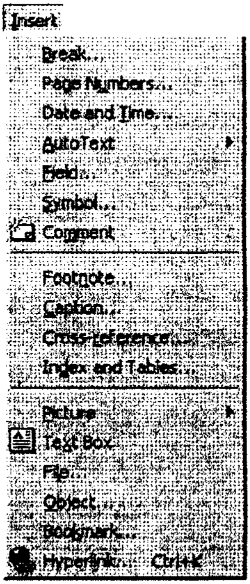

مدخولات (Insert)

ان احکامات کے تحت آپ کئی مدخولات اپنے دستاویز میں داخل کر سکتے ہیں۔

ان میں وقفہ (Break)، صفحہ نمبر (Page Number)، وقت و تاریخ (Date & Time)، متن (Auto Text)، میدان (Field)، علامتیں (Symbols)، تبصرہ (Comments)، پانوشتہ (Foot Note)، عنوانات (Captions)، آپسی حوالہ جات (Cross Reference)، جدول و فہرستیں (Index & Tables)، تصاویر (Pictures)، خانہ متن (Text Box)، مسل (File)، اشکال (Objects)، نشانیات (Book Mark)، عالمی کڑیاں (Hyperlink) وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام لوازمات ضخیم دستاویزوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

وقفہ (Break)

- عبارت میں کبھی کبھی ایسی جگہ وقفہ وارد ہو جاتا ہے جہاں اس کے مفہوم میں فرق پڑ جاتا ہے۔ اس عیب کو صحیح جگہ وقفہ ڈال کر ختم کیا جا سکتا ہے۔
- جہاں وقفہ ڈالنا منظور ہو وہاں کرسر کو کلک کیجیے۔

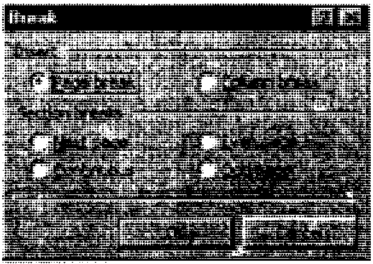

- پھر مدخولات (Insert) کی فہرست میں جا کر وقفہ (Break) پر کلک کریں۔ یہ استفساریہ وارد ہوگا۔
- اگر صفحہ کا وقفہ ہو تو Page Break کے گولے میں کلک کریں اور پھر OK پر کلک کریں۔ اس کرسر والی جگہ سے دوسرا صفحہ شروع ہو جائے گا۔
- اگر کالم کا وقفہ ڈالنا ہو تو Column Break والے گولے میں کلک کریں۔

- اگر متن میں وقفہ منظور ہو تو Text Wrapping Break والے گولے میں کلک کریں۔
- بعدازاں OK پر کلک کریں۔ متن میں کرسر والی جگہ سے وقفہ پڑ جائے گا۔

اسی طرح دوسرے متبادلات استعمال کیے جاسکتے ہیں۔

صفحہ نمبر (Page Number)

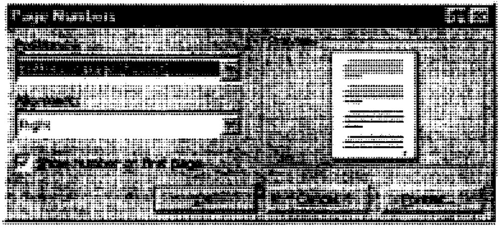

- دستاویز کے صفحات پر نمبر ڈالنے کے لیے مدخولات (Insert) کی فہرست پر صفحات نمبر (Page Number) پر کلک کرنے سے جو استفساریہ نکلتا ہے اس میں کئی اندراج کرنے پڑتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں۔
- Position کے پیکان پر کلک کرکے یہ تعین کرنا ہوگا کہ صفحہ نمبر نیچے (Bottom of Page (Footer ہوگا یا اوپر (Top of Page (Header، یہاں پیش منظر (Preview) میں نیچے دکھایا گیا ہے۔

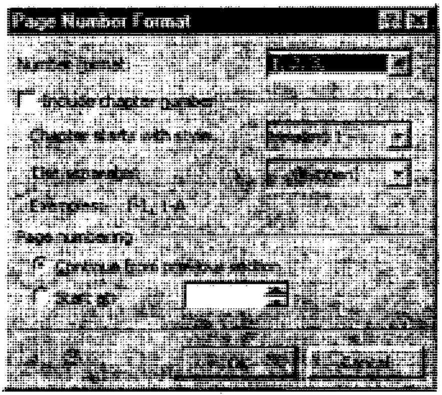

- صفحہ نمبر کا ملان (Alignment) کہاں ہوگا؟ Right, Left, Centre, Inside or Outside جو متبادلات منظور ہوں ان پر کلک کریں۔
- اوپر کے استفساریہ میں تزئین کاری (Format) پر کلک کرنے سے دوسرا استفساریہ نکلتا ہے جس میں صفحہ نمبر کی طرز تحریر کا بھی تعین کیا جاسکتا ہے، آیا یہ رومن ہندسے ہوں یا لاطینی۔
- اسی استفساریہ میں یہ بھی تعین کر سکتے ہیں کہ صفحہ نمبر کے ساتھ باب نمبر بھی شامل ہو یا نہیں، اور ہو تو کس طرز پر؟
- یہ Include Chapter Number پر کلک کرکے اس کی متبادلات میں سے منتخب کرنا ہوگا۔
- Page Numbering پر کلک کرکے یہ بھی تعین کرنا ہوگا کہ نمبر شاری پچھلے ابواب سے جاری رکھی جائے یا دوسری جگہ سے شروع کی جائے۔ وہ جگہ کون سی ہو، یہ Start At پر کلک کرکے تعین کی جاسکتی ہے۔
- جب ان سب ارکان کا تعین حسب منشا ہو جائے تب OK پر کلک کریں۔

(جاری)

شبنم آرا

کوئز

قدیم عہد میں عورت

(1) "ایک قبیلہ کسی دوسرے قبیلے کو اپنی لڑکی دے کر ہمیشہ کے لیے اس سے نیچا ہو جائے گا۔" کہاں کے لوگوں کا ماننا تھا؟

(الف) بنی اسرائیل (ب) قدیم چین

(ج) قدیم عرب (د) مصر

(2) "اگر کسی کی سو زبانیں ہوں اور وہ سو برس تک مسلسل بیان کرتا رہے، جب بھی عورتوں کی برائیوں اور عیبوں کو مکمل طور پر بیان نہیں کر سکتا ہے۔" کس مقدس کتاب کا قول ہے؟

(الف) مہابھارت (ب) بھگوت گیتا

(ج) رامائن (د) پُران

(3) عورت کو گناہوں، غلطیوں اور خامیوں کا منبع کس نے قرار دیا؟

(الف) بنکم چندر چٹرجی (ب) دیانند سرسوتی

(ج) منو اسمرتی (د) سوامی وویکانند

(4) کس ملک میں مہمان نوازی کے طور پر بیوی یا بیٹی کو مہمان کے حوالے کر دیا جاتا تھا؟

(الف) روس (ب) انگلینڈ

(ج) چین (د) جرمنی

(5) عورتوں کو مقدس کتابیں پڑھنے کی ممانعت کی:

(الف) بھگتی تحریک نے (ب) رابندر ناتھ ٹیگور نے

(ج) گوتم بدھ نے (د) منو اسمرتی نے

(6) عورت کی انفرادی حیثیت کو کس نے ختم کیا؟

(الف) ارسطو (ب) افلاطون

(ج) ورڈسورتھ (د) بائرن

(7) کس ملک کی عورت نے سب سے پہلے طلاق لینے کا حق حاصل کیا؟

(الف) یونان (ب) مصر

(ج) چین (د) عرب

(8) طلاق کی صورت میں کچھ اضافے کے ساتھ مہر ادا کرنے کا رواج سب سے پہلے کہاں نظر آتا ہے؟

(الف) مصر (ب) عرب

(ج) چین (د) یونان

(9) نکاح نامہ کی ایجاد سب سے پہلے کس ملک میں ہوئی؟

(الف) قدیم مصر (ب) قدیم عرب

(ج) قدیم چین (د) یونان

(10) کس عہد میں عورتوں کو مساوی حقوق حاصل تھے؟

(الف) مہابھارت (ب) اپنشد

(ج) رگ وید (د) برہمزم

(11) ویدک لفظ "دمپتی" سے کیا مراد ہے؟

(الف) عورت اور مرد گھر کے مشترکہ مالک ہیں۔

(ب) عورت کو ہمیشہ مرد کے ماتحت رہنا چاہیے۔

(ج) عورت کو مرد سے افضل ٹھہرایا گیا۔

(د) مرد کی مرکزیت والے عالمی نظریے کو رد کرنے کی کوشش کی گئی۔

(12) کس عہد میں عورتوں نے ذہنی ترقی کی اور تہذیبی امور میں اہم مقام حاصل کیا؟

(الف) ویدک عہد میں (ب) بدھ عہد میں

(ج) اپنشدوں کے عہد میں (د) مہابھارت کے عہد میں

(13) کس تہذیب میں اگر مرد دیوتا کی پرستش "لنگ" کی شکل میں کی جاتی تھی تو عورت (دیوی) کی پرستش "یونی" کی شکل میں کی جاتی تھی؟

(الف) وادیٔ سندھ تہذیب (ب) موہن جوداڑو تہذیب

(ج) ہڑپا تہذیب (د) ایرانی تہذیب

(14) کس ملک میں عورتوں کے بیچنے کا رواج عام تھا اور کب؟

(الف) جرمنی۔ انیسویں صدی میں

(ب) انگلینڈ۔ اٹھارھویں صدی کے آخر تک

(ج) روس۔ انیسویں صدی کے نصف میں

(د) فرانس۔ بیسویں صدی کے اوائل میں

(15) "چار سال کی عمر میں بھی لڑکی کی شادی کی جا سکتی ہے۔" کس کتاب میں لکھا گیا ہے؟

(الف) برہم پُران (ب) رامائن
(ج) مہاکاویہ (د) مہابھارت

(16) بعض راجپوت قبیلوں اور چند دوسری ذاتوں میں "دختر کشی" کی رسم موجود تھی اسے حکومت ہند نے کب قانوناً جرم قرار دیا؟
(الف) 1801 (ب) 1802
(ج) 1803 (د) 1804

(17) کس مصلح نے "ستی" کی رسم کے خلاف 1929 میں زوردار پرچہ لکھا؟
(الف) وویکانند (ب) راجہ رام موہن رائے
(ج) دیانند سرسوتی (د) بنکم چندر چڑجی

(18) 1815 سے 1818 کے درمیان
(الف) آٹھ سو ہندو عورتوں کو ستی ہونا پڑا تھا۔
(ب) آٹھ سو ہندو عورتوں کو ستی کر دیا گیا تھا۔
(ج) نو سو ہندو عورتوں نے ستی کی مخالفت کی۔
(د) نو سو ہندو عورتوں نے دوسری شادیاں کیں۔

(19) لارڈ ولیم بینٹنگ نے ایک قانون پاس کیا جس میں نہ صرف شوہر کی چتا پر ستی ہونے کی خواہش مند عورتوں کے لیے سزائیں مقرر تھیں بلکہ ان لوگوں کو بھی سخت سزا کا مستحق ٹھہرایا گیا جو ستی کی رسم میں شریک ہوں یا اس کی ترغیب دیں، کب؟
(الف) 1828 (ب) 1929
(ج) 1830 (د) 1831

(20) حقوقِ نسواں کا چیمپین کسے کہا جاتا ہے؟
(الف) گاندھی (ب) سرسید احمد خاں
(ج) ایشور چندر ودیا ساگر (د) راجہ رام موہن رائے

(21) کس عہد میں کم عمری کی شادی کو زیادہ فروغ حاصل ہوا؟
(الف) بدھ عہد میں (ب) جین عہد میں
(ج) رگ وید میں (د) اپنشدوں میں

(22) 'ستی' اور بچپن کی شادی کو کس حکومت نے قانونی جرم قرار دیا؟
(الف) ہندستانی حکومت (ب) برطانوی حکومت
(ج) ایرانی حکومت (د) عربی حکومت

(23) کس عظیم شخص نے بیوہ کی شادی کی حمایت میں تقریباً 21000 دستخط اکٹھا کیے؟
(الف) راجہ رام موہن رائے (ب) دیانند سرسوتی
(ج) ایشور چندر ودیا ساگر (د) بنکم چندر چڑجی

(24) کس ایکٹ کے تحت حکومت نے بیوہ کی دوسری شادی کرنے کی اجازت دی؟
(الف) 1854 کے ہندو میرج ایکٹ کے تحت
(ب) 1855 کے ہندو میرج ایکٹ کے تحت
(ج) 1856 کے ہندو میرج ایکٹ کے تحت
(د) 1857 کے ہندو میرج ایکٹ کے تحت

(25) ودیا ساگر کی تحریک اور انھیں کے زیر انتظام پہلی ہندستانی ہندو بیوہ عورت کی دوسری شادی:
(الف) 7/دسمبر 1856 کو کولکاتا میں ہوئی۔
(ب) 8/جنوری 1857 کو مدراس میں ہوئی۔
(ج) 7/فروری 1857 کو ناگپور میں ہوئی۔
(د) 8/مارچ 1857 کو ممبئی میں ہوئی۔

(26) 1855 سے 1860 تک
(الف) 25 بیوہ عورتوں نے دوسری شادیاں کیں۔
(ب) 25 بیوہ عورتیں ستی کر دی گئیں۔
(ج) 29 بیوہ عورتیں ستی کر دی گئیں۔
(د) 29 بیوہ عورتوں نے ستی کی رسم کی مخالفت کی۔

(27) 1955 کے ہندو میرج ایکٹ کے تحت:
(الف) عورت کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی۔
(ب) مرد کو ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی۔
(ج) مرد و عورت دونوں کے لیے صرف ایک شادی کا قانون نافذ کیا گیا۔
(د) مرد و عورت دونوں کے لیے ایک سے زائد شادی کا قانون نافذ کیا گیا۔

(28) عورتوں اور مردوں کو مساوات کی ضمانت کس نے دی؟
(الف) 1950 کی دفعہ 14 اور 15 نے
(ب) 1950 کی دفعہ 16 اور 19 نے
(ج) 1951 کی دفعہ 14 اور 15 نے
(د) 1951 کی دفعہ 16 اور 17 نے

(29) بیٹی اور بیٹے کو جائیداد کا برابر وارث کب قرار دیا گیا؟

(الف) 1956 کے ہندو وراثت ایکٹ کے تحت
(ب) 1957 کے ہندو وراثت ایکٹ کے تحت
(ج) 1958 کے ہندو وراثت ایکٹ کے تحت
(د) 1959 کے ہندو وراثت ایکٹ کے تحت

(30) "Hindu Women's Right to Property Act." کے تحت عورتوں کو اقتصادی حقوق دیے گئے اور شوہر کی جائیداد میں اس کا حصہ ضروری قرار دیا گیا، کب؟
(الف) 1935 (ب) 1936
(ج) 1937 (د) 1938

(31) خواتین کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے سب سے پہلے عیسائی مشنریوں نے قدم اٹھایا۔
(الف) 1820 میں (ب) 1821 میں
(ج) 1822 میں (د) 1823 میں

(32) "سر چارلس روڈس نے ایک مراسلے میں حکومت کے ذریعے اعلان کیا کہ لڑکیاں ابتدائی تعلیم لڑکوں کے ساتھ اسکولوں میں حاصل کر سکتی ہیں، کب؟
(الف) 1852 (ب) 1853
(ج) 1854 (د) 1855

(33) "بیتھون اسکول" جو تحریکِ تعلیم نسواں کا پہلا اسکول ہے۔ کب قائم کیا گیا؟
(الف) 1849 کولکاتہ میں (ب) 1850 ممبئی میں
(ج) 1849 مدراس میں (د) 1845 کانپور میں

(34) ہندستان کی پہلی عورت کب گریجویٹ ہوئی؟
(الف) 1873 میں (ب) 1883 میں
(ج) 1893 میں (د) 1903 میں

(35) ہندستان کی پہلی عورت میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے کب اور کہاں گئی؟
(الف) 1892۔ جرمنی (ب) 1893۔ آکسفورڈ
(ج) 1899۔ روس (د) 1900۔ فرانس

(36) 1914 میں مدراس میں "بھارت جاگو" کے نام سے ایک تقریر ہوئی جس میں ہندستانی عورتوں سے اپنی غلامی اور ناخواندگی ختم کرنے اور بچپن میں شادی نہ کرنے کی اپیل کی گئی۔ اس تقریر کی روحِ رواں کون تھیں؟
(الف) سروجنی نائیڈو (ب) کستوربا گاندھی
(ج) جی کے گوکھلے (د) مسز اینی بیسنٹ

(37) پہلی مرتبہ مسلم عورتوں کو پردے کے پیچھے سے کانفرنس کی تقریریں سننے کا موقع دیا گیا:
(الف) 1922 میں پیرس کی کانفرنس میں
(ب) 1917 میں آل انڈیا ویمنس کانفرنس میں
(ج) 1903 میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ممبئی میں
(د) 1931 میں انڈین نیشنل کانفرنس کے اجلاس کراچی میں

(38) 1904 میں عورتوں میں تعلیم کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے ایک رسالہ جاری کیا گیا۔ جس کا نام تھا:
(الف) عصمت (ب) تہذیب الاخلاق
(ج) خاتون (د) پردہ

(39) Lady India Home Science Conference کے نام سے ایک ادارہ 1932ء میں قائم ہوا۔ جس کا مقصد تھا:
(الف) عورتوں میں گھریلو کام کاج سے دلچسپی پیدا کرنا۔
(ب) عورتوں میں سائنس و ٹیکنالوجی سے دلچسپی پیدا کرنا۔
(ج) عورتوں میں صنعت و حرفت سے دلچسپی پیدا کرنا۔
(د) عورتوں میں پڑھائی لکھائی سے دلچسپی پیدا کرنا۔

(40) عورت کی انجیل (The Women's Bible) سے کیا مراد ہے؟
(الف) اس میں عورتوں کے مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔
(ب) اس میں عورتوں کی بہادری کو اُجاگر کیا گیا ہے۔
(ج) اس میں عورتوں و مردوں کی برابری کا ذکر کیا گیا ہے۔
(د) اس میں عورتوں پر ظلم و ستم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(41) وہ پہلی ممتاز مسلم خاتون جس نے تحریری و تقریری سطح پر قدیم روایت سے بغاوت کی اور عالمگیر نظریات کو سمجھتے ہوئے ملک گیر مسائل کو محسوس کیا اور چھیڑا:
(الف) رشید جہاں (ب) رضیہ سجاد ظہیر
(ج) عصمت چغتائی (د) صالحہ عابد حسین

(42) کس باغی مصنفہ نے مرد کے مقابلے میں ہمیشہ عورت کی وکالت کی، ہر بیوی کو اپنے شوہر کی کنیز یا باندی نہ بننے کے لیے اکسایا اور عورت کو آگاہ کیا کہ وہ مرد کی جنسی خواہشات کے لیے کھلونا نہ بنیں؟
(الف) رضیہ سجاد ظہیر (ب) عصمت چغتائی
(ج) رشید جہاں (د) زاہدہ زیدی

(43) آل انڈیا ویمنس کانفرنس کی صدر کون تھیں؟

(الف) بی اماں (ب) مسز پاروتی چندر شیکھر

(ج) سروجنی نائیڈو (د) مسز اینی بیسنٹ

(44) ہندستانی عورت جس کی دنیا اس کے گھر کے کمروں تک محدود تھی، اچانک اپنی اس صدیوں پرانی نقاب کو اتار پھینکتی ہے۔ یہ کون سا عظیم تاریخی دن تھا؟

(الف) جلیاں والا باغ (ب) نمک ستیہ گرہ

(ج) بھارت جاگو (د) بھارت چھوڑو آندولن

(45) کس بڑے مفکر نے عورتوں کو روایتی پابندیوں سے باہر نکالا اور مردوں کے شانہ بہ شانہ لاکر کھڑا کر دیا؟

(الف) راجہ رام موہن رائے (ب) گاندھی جی

(ج) وویکانند (د) ایشور چندر ودیا ساگر

(46) "جنس کے اختلاف پر کوئی تخصیص نہیں برتی جائے گی۔" کس اعلان نامہ میں کہا گیا تھا؟

(الف) 1903 میں، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ممبئی میں

(ب) 1917 میں، آل انڈیا ویمنس کانفرنس میں

(ج) 1922 میں، پیرس کی کانفرنس میں

(د) 1931 میں انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس کراچی میں

(47) کب اور کس ملک میں عورتوں کو ووٹ دینے کا سب سے پہلا حق دیا گیا؟

(الف) 1893، نیوزی لینڈ میں (ب) 1902، آسٹریلیا میں

(ج) 1917، انگلینڈ میں (د) 1918، کینیڈا میں

(48) ہندستان میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق کب ملا؟

(الف) 1925 میں (ب) 1926 میں

(ج) 1932 میں (د) 1933 میں

(49) "عورتوں کو حق رائے دہندگی" کی جدوجہد میں سب سے زیادہ پیش پیش تھیں؟

(الف) مسز اینی بیسنٹ (ب) سروجنی نائیڈو

(ج) کستوربا گاندھی (د) مسز وجے لکشمی پنڈت

(50) کس سنہ میں عورتیں اسمبلی کی ممبر کی حیثیت سے منتخب ہوئیں؟

(الف) 1934 (ب) 1935

(ج) 1936 (د) 1937

(51) 1940 تک ہندستان کی ودھان سبھاؤں میں کتنی عورتیں نمائندگی کر رہی تھیں؟

(الف) 70 (ب) 75

(ج) 80 (د) 85

(52) ہندستان کی سب سے پہلی خاتون وزیر اعلیٰ کس ریاست میں بنیں؟

(الف) راج کماری امرت کور۔ اڑیسہ

(ب) سروجنی نائیڈو۔ کولکاتا

(ج) سوچیتا کرپلانی۔ اتر پردیش

(د) وجے لکشمی پنڈت۔ مدھیہ پردیش

(53) وہ پہلی ہندستانی عورت جس نے گورنر کا عہدہ سنبھالا؟

(الف) وجے لکشمی پنڈت۔ تامل ناڈو

(ب) راج کماری امرت کور۔ کیرالہ

(ج) سوچیتا کرپلانی۔ مدھیہ پردیش

(د) سروجنی نائیڈو۔ اتر پردیش

□□□

240, Ganga Hostel, J.N.U., New Delhi-110067

کلیات محمد قلی قطب شاہ

مرتبہ: ڈاکٹر سیدہ جعفر

گولکنڈہ کا پانچواں تاجدار محمد قلی قطب شاہ بہ یک وقت کئی اوصاف سے متصف تھا۔ اس کا ایک اہم وصف شعر گوئی بھی تھا۔ یہ اس کا مستند کلیات ہے جس میں مشکل الفاظ کی فرہنگ بھی شامل ہے۔

(دوسرا ایڈیشن)

صفحات: 824، قیمت: 157

قطب مشتری

مصنف: اسد اللہ وجہی

"قطب مشتری" اردو کی ابتدائی طبع زاد مثنویوں میں کئی لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ مثنوی متن کے ساتھ سو صفحوں پر مشتمل عالمانہ مقدمے نے کتاب کی قدر و قیمت مزید بڑھادی ہے۔

(چوتھا ایڈیشن)

صفحات: 234، قیمت: 48

کلیات سراج

سراج اورنگ آبادی

مرتب: عبدالقادر سروری

سراج اورنگ آبادی اردو کے کلاسیکل شاعروں میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ دیباچے میں ان کی شاعرانہ خصوصیات اور ان کے شخصی اوصاف کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔

(دوسرا ایڈیشن)

صفحات: 732، قیمت: 138

قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں

جولائی تا ستمبر 2002

کلیات پریم چند کی چار جلدوں کی رسم اجرا اور سمپوزیم

قومی اردو کونسل نے پریم چند کی تمام تحریروں کی اشاعت کا منصوبہ اب سے تقریباً دو سال قبل تیار کیا تھا۔ 22 جلدوں پر مشتمل کلیات پریم چند کو جناب مدن گوپال مرتب کر رہے ہیں۔ کلیات میں پریم چند کے تمام افسانے، ناول، مضامین اور خطوط شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ تحریریں پہلی بار منظر عام پر آ رہی ہیں۔ پریم چند جو بنیادی طور پر اردو کے تخلیق کار تھے، بعد میں ہندی میں بھی لکھنے لگے تھے۔ پریم چند نے تقریباً 70 کہانیاں ہندی میں لکھیں جو اردو میں پہلی بار شائع ہو رہی ہیں، اس پروجیکٹ کے تحت کونسل نے پریم چند کی تحریروں کو ان کی اصل شکل میں یعنی ہندی الفاظ کا ترجمہ کیے بغیر اردو میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ 22 جلدوں میں سے اب تک 14 جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سے آخری چار جلدوں کی رسم اجرا 31 جولائی 2002 کو انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں مرکزی وزیر برائے فروغ انسانی وسائل ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی نے انجام دی۔ منشی دیا نرائن نگم کے رسالے "زمانہ" کا پریم چند نمبر جس کو جناب مانک ٹالا نے اپنے مبسوط مقدمے اور ضمیموں کے ساتھ پھر سے پیش کیا ہے، اور پروفیسر کے. کے. گوینکا کی تحریر کردہ منشی پریم چند کی باتصویر سوانح کی رسم اجرا بھی ڈاکٹر جوشی نے انجام دی۔ ان کے علاوہ پروفیسر شکیل الرحمٰن کی تازہ تصنیف 'ہندستان کا نظام جمال — بدھ جمالیات سے جمالیات غالب تک" کی رسم اجرا بھی عمل میں آئی۔

ابتدا میں اپنے استقبالیہ کلمات میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے ہندستان کی مشترکہ اقدار اور اردو کی خالص ہندستانی جڑوں پر گفتگو کرتے ہوئے قومی اردو کونسل سے شائع شدہ سنسکرت اور ہندو روایت کی مذہبی کتب کے اردو تراجم کا ذکر کیا اور آئندہ کے منصوبوں پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے مزید کہا کہ در حقیقت ہندستانی تشخص کا بہتر اظہار اردو زبان ہی میں ممکن ہے۔ پریم چند پر کونسل کا یہ پروجیکٹ اس سارے سرمائے کو سامنے لائے گا جو پریم چند نے ہندستانی تہذیب کو دیا ہے۔ منشی پریم چند مشترکہ تہذیب کے علم بردار تھے اور انھوں نے اس "ہندستانی" کی وکالت کی جو اردو اور ہندی کا ملا جلا روپ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پروجیکٹ ہندستان کے اس مشترکہ تشخص کی بازیافت میں معاون ہوگا جو گذشتہ تین سو سال میں اردو زبان نے ہندستان کو دیا ہے۔

اجرا کی رسم کے بعد ڈاکٹر جوشی نے اپنی تقریر میں آج کے دور میں پریم چند کی اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالی۔ تقریب کے مہمان خصوصی جناب گلزار نے پریم چند کے افسانوں کی عظمت اور ان کی اثرانگیزی پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ان کی کہانیاں ہر عمر کے لوگوں کو متاثر کرتی ہیں اور انسانی رشتوں اور ارفع تر انسانی جذبوں کو مہمیز کرتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان میں غریبوں کے حالات بدتر ہوئے ہیں۔ ہمیں پھر کسی ایسے منشی پریم چند کی ضرورت ہے جو اس دور کو سنبھالے اور اس کے بارے میں لکھے۔

سمپوزیم کے دوسرے دور میں مقالات پڑھے گئے اور ماہرینِ پریم چند نے جلسے کو خطاب کیا۔ مقررین میں پروفیسر سیّد جعفر رضا، ڈاکٹر کے. کے. گوینکا، پروفیسر قمر رئیس، جناب مدن گوپال اور پروفیسر شیام سنگھ ششی کے نام شامل ہیں۔

اردو اور علاقائی زبانوں کی کتابوں کی مارکیٹنگ پر ورکشاپ

اردو کے ساتھ ساتھ ہندستان کی سبھی زبانوں میں کتابوں کی اشاعت اور مارکیٹنگ کے مسائل تقریباً ایک سے ہیں۔ بڑا مسئلہ یہ ہے کہ الگ الگ زبانوں کی الگ الگ دکانیں یا بازار ہونے سے ان تک قاری کی رسائی بمشکل ہو پاتی ہے۔ اس لیے کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اردو کی کتابیں دوسری زبانوں کی کتابوں کے ساتھ مشترکہ طور پر فروخت ہوں۔ ہندی اور انگریزی کی دکانوں میں اردو کے بھی کارنر یا آؤٹ لیٹ ہوں تو اردو سے دلچسپی رکھنے والے دوسری زبانوں کے قارئین تک بھی اردو کی کتابیں پہنچ سکیں گی۔

ہندستان کے مشترکہ تہذیبی ورثے اور قومی یکجہتی میں اردو کے

کردار کو سامنے لانے کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اردو زبان کے روابط دوسری زبانوں کے ساتھ مضبوط اور مربوط ہوں، اس میں بھی ہندستان کے تمام ناشرین اور تاجرانِ کتب تاریخی کردار نباہ سکتے ہیں۔

ان خطوط کے پیشِ نظر 26/اگست 2002 کو پرگتی میدان دہلی میں منعقدہ آٹھویں دہلی کتاب میلے کے موقعے پر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی جانب سے ایک ورکشاپ ہال نمبر 8 کے آڈیٹوریم میں منعقد ہوا۔ عنوان تھا۔—"اردو اور علاقائی زبانوں کی کتابوں کی مارکیٹنگ"۔ ورکشاپ میں فیڈریشن آف انڈین پبلشرز کے معتبر ناشرین اور تاجرانِ کتب نے حصہ لیا۔ افتتاح جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر جناب سید شاہد مہدی نے کیا اور مہمانِ خصوصی کے طور پر فیڈریشن کے چیئرمین جناب ڈی. این. ملہوترا نے شرکت کی۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں منعقد اس سمپوزیم میں اسٹار پبلی کیشنز، اسٹرلنگ، بنرور تھس، انجمن ترقیِ اردو ہند، دہلی اردو اکادمی اور اردو کے معتبر ناشرین کے نمائندگان نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور مسائل سے نبرد آزمائی کے لیے قابلِ عمل تجاویز پیش کیں۔

مذاکرے میں ناشرین کے روابط اردو کے تعلیمی اداروں، اکادمیوں اور یونیورسٹیوں کے ساتھ مضبوط کرنے کے لیے ایک موثر نیٹ ورکنگ ضرورت پر بھی زور دیا گیا اور آخر میں مذاکرے کے شرکا نے یہ مشورہ دیا کہ ایک اسٹینڈنگ کمیٹی تشکیل دی جائے جو ان تمام تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے حکمتِ عملی طے کرے اور پرائیویٹ ناشرین اور تاجرانِ کتب کے ساتھ بھی باہمی روابط اور تعاون کا سلسلہ استوار کرے۔

ایگزیکیٹو بورڈ کی گیارھویں میٹنگ

قومی اردو کونسل کے ایگزیکیٹو بورڈ کا گیارھواں اجلاس 17 ستمبر 2002 کو قومی اردو کونسل کے کمیٹی روم میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں ہوا۔ جناب احمد سعید ملیح آبادی، جناب من موہن شرما، جناب محمد یوسف ٹینگ، پروفیسر سید جعفر رضا اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ بورڈ کے اراکین کے طور پر اجلاس میں شریک ہوئے۔ منسٹری کی نمائندگی جناب وی. کے. بیپر سینیا (جوائنٹ سکریٹری اور فنانشیل ایڈوائزر) اور جناب اپامنیو چٹرجی، ڈائرکٹر (لینگویجز) نے کی۔

میٹنگ کی ابتدا میں گزشتہ میٹنگ کی روداد کی توثیق کی گئی اور اس کے بعد مختلف فیصلوں پر عمل درآمد کا جائزہ لیا گیا۔ میٹنگ میں 2001-2002 کے سالانہ رپورٹ پر غور کیا گیا اور اسے ویب سائٹ پر دینے کا مشورہ بھی سامنے آیا۔

میٹنگ میں یو. این. آئی. اردو نیوز سروس کی مالی اعانت پر تفصیل سے غور کیا گیا اور اس اسکیم کو مالی سال 2002-03 کے لیے نظر ثانی شدہ ریٹ پر منظور کیا گیا اور نئی اسکیم کے اعلان تک اسے قائم رکھنے کا فیصلہ ہوا۔

یہ بھی فیصلہ ہوا کہ قومی اردو کونسل کی خالی پوسٹوں پر جلد از جلد تقرر کیا جائے۔

کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹروں کے قیام سے متعلق میٹنگ میں گفتگو ہوئی۔ اس اسکیم کے پہلے چار سالہ مرحلے میں 125 کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر قائم کیے گئے اور اس کے کافی مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ اس کی مدد سے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو نوکریاں ملیں۔ کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹروں کی اسکیم سے متعلق مستقبل کا کورس آف ایکشن کا تعین ریویو کمیٹی کی رپورٹ آنے کے بعد کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں فنانشیل ایڈوائزر کا مشورہ تھا کہ کورس کے نصاب میں کام کے اوقات کا تعین واضح طور پر ہونا چاہیے تاکہ ان سینٹروں میں کام کرنے والے افراد بہتر کام کر سکیں۔

فنانس کمیٹی کی چودھویں میٹنگ

17 ستمبر 2002 کو قومی اردو کونسل کی فنانس کمیٹی کا اجلاس پروفیسر گوپی چند نارنگ کی صدارت میں کونسل کے کمیٹی روم میں منعقد ہوا جس میں اراکین کے طور پر جناب احمد سعید ملیح آبادی، جناب من موہن شرما، جناب محمد یوسف ٹینگ، پروفیسر سید جعفر رضا نے اور کنوینر کے طور پر جناب ڈاکٹر حمید اللہ بھٹ نے شرکت کی۔ منسٹری کی نمائندگی جناب وی. کے. بیپر سینیا (جوائنٹ سکریٹری اور فنانس ایڈوائزر) اور جناب اُپامنیو چٹرجی (ڈائرکٹر لینگویجز) نے کی۔

فنانس کمیٹی میں گزشتہ میٹنگ کے فیصلوں کی توثیق کی گئی اور ان کے نفاذ کا جائزہ لیا گیا۔ اس کے بعد Action Taken Report پر گفتگو کے دوران مندرجہ ذیل فیصلے لیے گئے۔

(1) فنانس کمیٹی کے ارکان کم از کم پانچ کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹروں کا معائنہ کرکے اپنی رپورٹ پیش کریں گے تاکہ اسکیم کا Impact Assessment کیا جا سکے۔

(2) دسویں پلان کی ایک کاپی کونسل کے تمام اراکین کو بھیجی جائے۔

میٹنگ میں 5 ستمبر 2002 کی گرانٹ اِن ایڈ کمیٹی (اردو، عربی/فارسی) کی مشترکہ میٹنگ کے فیصلوں پر غور کرنے کے بعد ان کی توثیق کی گئی۔ فنانشیل ایڈوائزر نے بتایا کہ شمال مشرقی ریاستوں میں چل رہے

پروگراموں کے معاشی نتائج پر اشارہ کرتے ہوئے منسٹری میں الگ سے پروپوزل داخل کیا جاسکتا ہے تاکہ اس کے لیے ضروری فنڈ فراہم کیا جاسکے۔

قومی اردو کونسل کے 2001-2000 کے سالانہ اکاؤنٹ اور آڈٹ رپورٹ کا بھی جائزہ لیا گیا۔ میٹنگ میں یہ طے ہوا کہ قومی اردو کونسل کے گرانٹ ان ایڈ اخراجات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اس لیے آڈٹ کے مشورے کے مطابق انٹرنل آڈٹ کا عہدہ قائم کیا جائے۔

میٹنگ میں مالی اعانت کی اسکیم کے تحت یو. این. آئی اردو نیوز سروس کے لیے مالی سال 2003-2002 کے لیے نظر ثانی شدہ رقم ادا کرنے کی منظوری دی گئی۔ ساتھ ہی اگلی اسکیم کے نوٹیفکیشن تک بدستور رقم ادا کیے جانے کا فیصلہ ہوا۔

میٹنگ صدر کے شکریے کے ساتھ ختم ہوئی۔

[illegible]

حکومت ہند کی گرانٹ ان ایڈ اسکیم کے تحت قومی اردو کونسل رضاکار تعلیمی اداروں میں اساتذہ کے مشاہرے اور تربیت کے لیے مالی تعاون دیتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹائپنگ، شارٹ ہینڈ، کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن کی تربیت، اردو اخباروں کے بہتر معیار اور علمی کتابوں پر تعاون کے لیے بھی امداد دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اردو زبان و ادب کے فروغ کے مختلف پروجیکٹ بھی گرانٹ ان ایڈ اسکیم کے تحت آتے ہیں۔

گرانٹ ان ایڈ کمیٹی (اردو، عربی، فارسی) کی مشترکہ میٹنگ 5.9.02 کو قومی اردو کونسل کے کمیٹی روم میں منعقد ہوئی جس کی صدارت پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کی۔ میٹنگ میں پروفیسر ابوالکلام قاسمی، پروفیسر احمد سجاد، جناب بلراج کومل، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، جناب من موہن شرما، جناب محمد جلیل پاشا، مولانا محمد ولی رحمانی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر شمیم رضوی اور ڈاکٹر یامین ایم فاروقی نے شرکت کی۔ جناب اے. کے. قاسم (انڈر سکریٹری IFD) اور جناب ٹی. آر. پرشاد (ڈیسک آفیسر، لینگویجز) نے وزارت کی نمائندگی کی۔ میٹنگ کے کنوینر قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ تھے۔

میٹنگ کے آغاز میں قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے ڈیپارٹمنٹ آف سیکنڈری اینڈ ہائر ایجوکیشن کی جاری کردہ شرائط کا ذکر کیا جس کی رو سے رضاکار تنظیموں کو اردو، عربی، فارسی کے جزوقتی اساتذہ اور ٹائپ اینڈ شارٹ ہینڈ کے تربیتی مراکز کے قیام کے لیے مالی تعاون کی درخواستوں کی ڈپلیکیٹ کاپی پر مجوزہ اتھارٹی (سکریٹری / متعلقہ ریاست کے ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن) سے توثیقی سند حاصل کرنا ہوگی۔ وزارت کی جاری کردہ شرائط پر سختی سے عمل آوری پر زور دیتے ہوئے وزارت کے نمائندگان نے یہ واضح کیا کہ مختلف صوبوں میں متعدد رضاکار تنظیموں کی مدد سے چلائے جارہے کونسل کے جن پروگراموں کے لیے براہ راست مالی تعاون کے لیے درخواستیں موصول نہیں ہوتیں، وہ مذکورہ شرائط کے دائرے میں نہیں آتے۔ اس سلسلے میں حکومت کے نقطہ نظر کی تعریف کرتے ہوئے کمیٹی نے درج ذیل تجاویز پیش کیں اور وزارت سے ان پر غور کرنے کی گزارش کی۔

(1) ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی توثیق یافتہ مالی تعاون کی درخواستوں کو قابل قبول قرار دیا جائے۔

(2) ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن کے علاقائی آفسوں کو مالی تعاون کی درخواستوں کی توثیق کرنے کا اہل قرار دیا جائے۔

(3) اگر ایک مرتبہ گرانٹ ان ایڈ کمیٹی کسی رضاکار تنظیم کو مالی تعاون دینے کی اجازت دے چکی ہے تو اس تنظیم کے تمام متعلقہ کاغذات (ان کا بیک گراؤنڈ جاننے کے لیے) متعلقہ ریاستی حکومت کو بھیجے جاسکتے ہیں۔ اگر تین مہینے کے اندر اندر ریاستی حکومت اس تنظیم کے بیک گراؤنڈ کی رپورٹ کونسل کو ارسال کر دیتی ہے تو ایسی صورت میں گرانٹ ریلیز کی جاسکتی ہے۔

کمیٹی نے سال 03-2002 کے لیے 15 رضاکار تنظیموں کو 33 جزوقتی اساتذہ کے مشاہرے کے لیے -/1,98,000 روپے منظور کیے جن میں آندھرا پردیش کی ایک، بہار کی دو، چھتیس گڑھ کی تین، کرناٹک کی دو اور اتر پردیش کی سات رضاکار تنظیمیں شامل ہیں۔

یہ طے کیا گیا کہ اسکولوں / رضاکار اداروں اور ان میں کام کرنے والے اساتذہ کی ضلع وار تفصیلات (Break-up) ریاستی محکمہ تعلیم سے طلب کی جاسکتی ہیں۔ شمال مشرق (North-East) کے لیے روک کر رکھے گئے فنڈ کے 10% بجٹ کے متعلق جانکاری کے لیے بھی وزارت سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ اس کی اطلاع ملنے کے بعد ڈائرکٹر، قومی اردو کونسل اس کے متعلق مناسب کارروائی کر سکتے ہیں۔

میٹنگ میں یہ قرار پایا کہ ڈائرکٹر قومی اردو کونسل کی پیش کردہ Introduction of Diploma in Multilingual Type & Short-hand (Urdu, Hindi, English) کی موجودہ اسکیم میں ترمیم

کی تجویز کو قبول کر لیا جائے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ موجودہ سات شارٹ ہینڈ / ٹائپ سینٹروں کا معائنہ کیا جائے اور نئی تجویزوں پر اسی صورت میں غور کیا جائے جب ان سے متعلق ریاستی محکمہ تعلیم کی سفارشات موصول ہو جائیں۔

کمیٹی نے سیمناروں اور کانفرنسوں میں ہونے والے اخراجات کا تخمینہ لگانے کے بعد سات رضاکار تنظیموں کو کل اخراجات کا 50% سیمنار / کانفرنس / ورکشاپ / گرانٹ ان ایڈ اسکیم کے تحت دینے کا فیصلہ کیا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ 25000 روپے دیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دس مصنفین کی کتابوں کی اشاعت میں معاونت کا بھی فیصلہ کیا گیا۔ اس مد میں 2,29,006/- روپے کی گرانٹ منظور ہوئی۔

میٹنگ میں 33 کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹروں پر بھی غور کیا گیا۔ اس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ نئے سینٹروں کا قیام پہلے سے منظور شدہ تعداد اور فنڈ کی دستیابی پر منحصر ہوگا۔ میٹنگ میں یہ تجویز بھی رکھی گئی کہ کمپیوٹر سینٹروں کے لیے آنے والی درخواستوں کی چھٹنی (Short-listing) گرانٹ ان ایڈ کمیٹی (اردو) کے چیئرمین اور قومی اردو کونسل کے نائب چیئرمین کے مشورے سے کی جائے گی۔ میٹنگ میں تین نئے کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن ٹریننگ سینٹروں کے قیام کا فیصلہ کیا گیا جن میں سے ایک جموں میں اور دو مہاراشٹر میں قائم کیے جائیں گے۔

کمیٹی نے سال 2002-03 کے لیے 15 رضاکار اداروں کو عربی فارسی کے 31 جز وقتی اساتذہ کے مشاہرے کے مد میں 1,67,400/- روپے منظور کیے۔ عربی کے دو مسودوں کی 500 کاپیوں کی اشاعت پر آنے والے اخراجات کا تخمینہ لگا کر اس کا 75% حصہ مالی اعانت کے طور پر منظور کیا گیا۔ اس مد میں 41,724/- روپے منظور کیے گئے۔

میٹنگ میں بہ اعتبار مجموعی 7,59,080 روپے کی گرانٹ منظور کی گئی۔

اردو کلاسکس کی تدوین و اشاعت پر غور

اردو زبان میں مختلف موضوعات پر نثری و شعری تخلیقات کا ایک وقیع ذخیرہ موجود ہے جو ہمارا بے حد قیمتی ورثہ ہے اور جس کی حفاظت ہم پر فرض ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اس سلسلے میں شروع سے ہی سرگرم عمل رہی ہے اور اس نے مختلف نایاب کلاسیکی متون کی اشاعت کا کام سرانجام دیا ہے۔ اس ضمن میں قومی اردو کونسل کا لٹریری پینل فعالیت کے ساتھ اپنی ذمے داری نباہ رہا ہے۔ لیکن اردو ادب کے مکمل سرمائے کو دیکھتے ہوئے یہ کام بہت محدود پیمانے پر ہو رہا ہے۔ اسے زیادہ وسیع پیمانے پر آگے بڑھانے کی ضرورت ہے تاکہ تمام اہم کلاسیکی متون کے ساتھ ساتھ تمام جدید نثری و شعری تخلیقات کو بھی صحیح متن کے ساتھ شائع کیا جا سکے، کیونکہ جس قدر خدشہ کلاسیکی متون کے ضائع ہو جانے کا ہے اسی قدر جدید ادبی تخلیقات کے ضائع ہو جانے کا بھی ہے۔ جدید ادب کی ترتیب و تدوین میں یہ آسانی بھی ہے کہ یہ ابھی ہماری دسترس میں ہے اور مرحوم شاعروں اور ادیبوں کے ہم عصر اور ہمارے چند معتبر محققین ابھی بہ قید حیات ہیں جن سے اس کام میں رہنمائی اور تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس جانب بہتر لائحۂ عمل کا خاکہ بنانے کے لیے ابتدائی مرحلے کے طور پر ایک میٹنگ مختلف یونی ورسٹیوں کے نوجوان اساتذہ اور ریسرچ اسکالرز کی ایک میٹنگ 22/اگست کو بلائی گئی تاکہ اہم کتابوں کی ایک فہرست تیار کر کے سینیر محققین اور اساتذہ کے پاس بھیج کر ان سے اس سلسلے میں مشورے لیے جائیں اور پھر انھی خطوط پر کام آگے بڑھایا جائے۔

اس میٹنگ میں کشمیر یونیورسٹی کے پروفیسر زماں آزردہ، جے. این. یو. کے ڈاکٹر انور پاشا، ڈاکٹر مظہر مہدی، ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین، دہلی یونیورسٹی کے ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، ڈاکٹر مظہر احمد، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ڈاکٹر شکیل جہانگیری، ڈاکٹر احمد محفوظ، ڈاکٹر عبدالرشید، ڈاکٹر وہاج الدین علوی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ڈاکٹر سراج اجملی، ڈاکٹر امتیاز احمد اور بی. این. کالج، پٹنہ کے ڈاکٹر جاوید حیات کے علاوہ مختلف یونیورسٹیوں کے ریسرچ اسکالروں نے شرکت کی۔

میٹنگ میں جو باتیں سامنے آئیں وہ یہ تھیں کہ کتابوں کی اشاعت میں قدیم اور جدید میں کوئی امتیاز نہ برتا جائے کیوں کہ دونوں اپنی اپنی جگہ بے حد اہم ہیں۔ ساتھ ہی تمام اصناف ادب کی نمائندگی بھی ضروری ہے۔ معتبر ادبی رسائل مثلاً نگار، مخزن، زمانہ، اودھ پنچ اور نقوش وغیرہ کے خصوصی شمارے بھی شائع کیے جائیں (قومی اردو کونسل 'زمانہ' کا 'پریم چند نمبر' شائع کر کے اس کام کی شروعات کر چکی ہے۔) جو ادبی رسائل جواب بند ہو چکے ہیں اور تاریخی اہمیت کے حامل ہیں، ان کی پوری فائل شائع کی جائے۔ تمام تذکروں کی مائکرو فلم تیار کی جائے تاکہ اس تاریخی وراثت کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔

یہ اردو ادب کی بدقسمتی ہے کہ بنی بنائی راہ پر چلنے کی روش کی وجہ سے بہت سے شعرا و ادبا کو عرصے تک نظر انداز کیا جاتا رہا۔ اردو ادب کی تاریخ لکھنے والوں نے نظیر اکبر آبادی کو ایک طویل عرصے تک درخور اعتنا نہ جانا، لیکن دیر سے ہی سہی نظیر کی اہمیت کا اعتراف کیا گیا اور تاریخ ادب میں انھیں مناسب مقام ملا، لیکن کبیر داس (جن کی اہمیت کا اعتراف مولوی عبدالحق نے

اپنی کتاب ''اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا کام'' میں کیا ہے) ملک محمد جائسی اور عبدالرحیم خانخاناں پر اب تک توجہ نہیں دی جا سکی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تینوں شاعروں کا کلام اردو میں مکرر شائع کیا جائے۔ اس سے نہ صرف ان تخلیق کاروں کے ساتھ ہوئی ناانصافی کا ازالہ کیا جا سکے گا بلکہ اردو شاعری کا دامن بھی وسیع ہوگا اور ان کے شائقین کے ادبی ذوق کی آبیاری بھی ہو سکے گی۔

ملک میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی حیثیت اردو کے مقتدرہ کی ہے۔ اس کی کوشش ہوگی کہ اردو کے تمام تر تخلیقی و تحقیقی سرمائے کو محفوظ کر لیا جائے۔ اس ضمن میں ہندستان کے ساتھ ساتھ پاکستان سمیت جس ملک میں بھی اردو کی اہم کتابیں تخلیق ہوئی ہیں، ان کی اشاعت ہمارے منصوبے کا حصہ ہے۔

اہم قلم کاروں کی تخلیقات کا انتخاب شائع کرنا بھی قومی کونسل کی فہرست میں شامل ہے تاکہ عام قاری اور طالب علموں کو کم قیمت پر معیاری ادب سے استفادے کا موقع دیا جا سکے۔

وہ کتابیں جو طلبہ کے نصاب میں شامل ہیں، صحتِ متن کے ساتھ ان کے معیاری ایڈیشن کی اشاعت پر جلد ہی عمل درآمد کا منصوبہ بھی بنایا جا رہا ہے۔

جن کتابوں کے معیاری ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں یا جنھیں ہمارے معتبر محققین مثلاً مولوی عبدالحق، امتیاز علی عرشی، قاضی عبدالودود، مالک رام یا رشید حسن خاں وغیرہ نے مرتب و مدوّن کر دیا ہے ان کی از سرِ نو تدوین کے بجائے اسی شکل میں شائع کرنا زیادہ مناسب ہوگا کیوں کہ اوّل تو ان سے بہتر تدوین و ترتیب کی گنجائش بہت کم ہے اور دوسرے وقت کی بچت بھی ہوگی۔

کلاسیکی متون کی تدوین کی ذمّے داری تفویض کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوگا کہ جس شخص کو یہ کام دیا جائے وہ اس موضوع سے پوری طرح انصاف کر سکے۔ وہ تدوینِ متن کے اصولوں سے آگاہ ہونے کے ساتھ ہی ساتھ جس ٹکسٹ کی تدوین کر رہا ہے اس کی زبان پر بھی پوری طرح عبور رکھتا ہو تاکہ اختلافِ نسخ کی صورت میں صحیح فیصلہ کر سکے۔

لغات کی اشاعت کے سلسلے میں بھی اسی قسم کی احتیاط کی ضرورت ہوگی۔ میٹنگ میں یہ بھی طے ہوا کہ ان تمام کتابوں کی پروف ریڈنگ عام پروف ریڈروں سے کرانے کے بجائے خود مرتبین سے کرائی جائے تاکہ کم سے کم غلطی کا احتمال رہے۔

قومی کونسل چاہتی ہے کہ کتابوں کی ترتیب و تدوین کا یہ کام نوجوان اساتذہ اور ریسرچ اسکالر انجام دیں اور بزرگ محققین اور اساتذہ اس سلسلے میں رہنمائی کریں تاکہ اردو ادب کے اس بے حد وقیع سرمائے کو بہتر سے بہتر صورت میں شائع کیا جا سکے اور اس ورثے کی حفاظت کا فرض پورا کیا جا سکے۔

اصطلاحات برائے لسانیات کے دو ورک شاپ

گزشتہ جون میں لسانیات اور سماجی لسانیات کے نو تشکیل شدہ پینل کی میٹنگ میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ کونسل کی شائع شدہ اصطلاحات لسانیات پر نظرِ ثانی، ڈیوڈ کرسٹل کی فرہنگ کے جدید ایڈیشن کی رہنمائی میں کی جائے۔ اس سلسلے میں پہلا ورکشاپ 25 جولائی 2002 کو قومی اردو کونسل کے کمیٹی روم میں منعقد ہوا۔ اس کی صدارت پروفیسر او. این. کول، نئی دہلی نے کی۔ دیگر شرکا کے اسمائے گرامی یہ ہیں: پروفیسر عبدالعظیم (سابق صدر، شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)، ڈاکٹر ایچ. کے. اے. بیگ (شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)، ڈاکٹر کے. ایس. مصطفیٰ (یو. ٹی. آر. سی، سولن)، ڈاکٹر عبدالرشید (مراسلاتی کورس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی)، ڈاکٹر ایس. ای. علی (شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) اور ڈاکٹر اے. آر. فتیحی، پرنسپل پبلی کیشن آفیسر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی۔ محترمہ مسرت جہاں، ریسرچ اسسٹنٹ، قومی اردو کونسل نے بھی ورکشاپ میں شرکت کی۔ ورکشاپ کے ایک روزہ مباحثے کے دوران یہ طے کیا گیا کہ سیمیوٹکس (Semiotics)، سماجی لسانیات اور اسلوبیات (تجزیاتی بحث) اور ساختیات کا اضافہ موجودہ فرہنگِ اصطلاحات میں کیا جائے گا۔ اس میٹنگ میں درج ذیل نکات سامنے آئے:

پروفیسر او. این. کول. سے زبان کی تعلیم و تفہیم اور جنوب ایشیائی لسانیات سے متعلق اصطلاحات کی فہرست سازی کرنے کی گزارش کی گئی۔ اس میٹنگ میں یہ بھی طے کیا گیا کہ سیموٹکس (Semiotics)، سماجی لسانیات، اسلوبیات (تجزیاتی بحث) اور ساختیات سے متعلق اصطلاحات کا انتخاب ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ (علی گڑھ) کریں گے۔ ان سے یہ بھی گزارش کی گئی کہ وہ اردو اصطلاحات کی بھی نشاندہی کریں۔ کمپیوٹیشنل لنگوسٹکس اور قواعد (چامسکین ماڈل) ڈاکٹر کے. ایس. مصطفیٰ کے حوالے کیا گیا اور ان سے یہ گزارش کی گئی کہ وہ ان مضامین کی اصطلاحوں کی فہرست تیار کر لیں اور ان کی اردو اصطلاحیں تیار کریں۔

جناب عبدالرشید سے گزارش کی گئی کہ وہ لغت سازی (Lexicography)، تاریخی لسانیات اور بشریاتی لسانیات (Anthropo-logical Linguistics) سے متعلق اصطلاحوں کی نشان دہی کریں اور ان کی اردو اصطلاحیں تیار کریں۔ ڈاکٹر سہیل فاروقی سے گزارش کی گئی کہ وہ

ترجمہ اور تعلیمی لسانیات سے متعلق اصطلاحوں کی نشان دہی کریں اور ان کی اردو اصطلاحیں بھی تیار کریں۔ ڈاکٹر ایس. ای. علی سے گزارش کی گئی کہ وہ تجرباتی صوتیات (Experimental Phoenetics) اور نفسیاتی اور دماغی لسانیات (Neuro-Linguistics) سے متعلق اصطلاحات کی فہرست تیار کریں اور ان کی اردو اصطلاحیں تیار کریں۔ Form-Content Linguistics سے متعلق اصطلاحوں کی نشان دہی اور ان کی اردو اصطلاحیں تیار کرنے کے لیے ڈاکٹر شبانہ حمید کا نام تجویز ہوا۔

کمیٹی نے یہ طے کیا کہ اگلا دو روزہ ورک شاپ 6-5 ستمبر 2002 کو منعقد کیا جائے گا جس میں مندرجہ بالا نکات پر بحث و مباحثے کے بعد ان کو حتمی شکل دی جائے گی۔

دوسرا ورک شاپ معینہ تاریخوں میں پروفیسر او. این. کول. کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر اے. آر. فتیحی کے سوا مذکورہ تمام ماہرین نے شرکت کی۔ ورک شاپ کے دو روزہ مباحثے میں ایجنڈے کا جائزہ لیا گیا۔ پروفیسر او. این. کول نے لینگویج ایکویزیشن، زبان کی تعلیم اور جنوبی ایشیائی لسانیات کی 106 اصطلاحات، ڈاکٹر ایم. کے. اے. بیگ نے سیمیوٹکس، سماجی لسانیات، اسلوبیات (ڈسکورس کا تجزیہ) اور ساختیات کی 110، ڈاکٹر کے. ایس. مصطفیٰ نے کمپیوٹیشنل لسانیات اور قواعد کی 64، جناب عبدالرشید نے لیکسکوگرافی، تاریخی لسانیات اور بشریاتی لسانیات کی 86، ڈاکٹر سہیل فاروقی نے ترجمہ اور تعلیمی لسانیات کی 56، ڈاکٹر ایس. ای. علی نے Acoustics Speech Pathology and Psycho-Neuro Linguistics کی 58 اور ڈاکٹر شبانہ حمید نے Form-Content Linguistics کی 74 اصطلاحات تیار کیں۔

کمیٹی نے یہ طے کیا کہ اصطلاحات کی ایک ماسٹر کاپی پروفیسر مسعود حسین خاں (اصطلاحات کمیٹی کے پہلے چیئرمین) کے پاس ان کی رائے کے لیے بھیجی جائے۔ پریس کاپی ڈاکٹر کے. اے. بیگ. تیار کریں گے۔

[illegible] تربیتی مراکزوں کے اساتذہ [illegible] سپروائزروں کے ساتھ میٹنگ

قومی اردو کونسل کے تعاون سے دہلی میں قائم کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر کے اساتذہ اور سپروائزروں کے ساتھ ایک میٹنگ 20.9.02 کی شام 4 بجے، قومی اردو کونسل کے کمیٹی روم میں منعقد ہوئی، جس کی صدارت قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ نے کی۔ اس میٹنگ میں درج ذیل مشورے سامنے آئے۔

(1) قومی اردو کونسل کی اسکیم کے مطابق طے شدہ اہلیت کے مطابق دو اساتذہ (ایک اردو اور ایک انگلش کے لیے) ہر مرکز میں ہوں گے۔ اردو استاد کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس پوسٹ پر اسی امیدوار کا تقرر ہوگا جو قومی اردو کونسل کے کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی سینٹر سے کامیاب ہوا ہو اور اس ضمن میں ٹاپرز (Toppers) کو اوّلیت دی جائے گی۔

(2) قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر نے اس جانب خصوصی توجہ مبذول کرائی کہ ہمارے کمپیوٹر مراکز کے کارپس (Corpus) میں خاصا فنڈ موجود ہے جو نہ صرف سینٹر کی بہتر کارکردگی کا مظہر ہے بلکہ سینٹر کی اہمیت و افادیت بھی اس میں مضمر ہے۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ جس سینٹر کے کارپس میں وافر رقم موجود ہے، اس سینٹر کو چار سال کے بعد الحاق کی منظوری دی جائے گی۔

(3) میٹنگ میں طے پایا کہ کورس کے نصاب پر نظر ثانی کیا جائے۔

(4) قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر نے تمام سپروائزروں کو یہ ہدایت دی کہ مہینے میں کم سے کم دو بار وہ ہائر لیول کی گیسٹ فیکلٹی کو لازمی طور سے بلایا کریں، اور مہینے میں دو بار گیسٹ لکچر دلوائیں۔ اس کے لیے کارپس فنڈ سے -/500 روپے ادا کیے جائیں گے۔

(5) قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر، فیکلٹی اور دیگر افراد کی تنخواہوں سے متعلق مسائل کے بارے میں ہدایات دیں گے۔

■■■

تحریک خلافت

مصنف: قاضی محمد عدیل عباسی

ہندستان میں چلائی جانے والی تحریکِ خلافت نے بالواسطہ طور پر ہماری تحریکِ آزادی کو بھی ایک نئی قوت عطا کی تھی۔ اس کتاب میں مصنف نے جو اس تحریک میں شریک تھے، تحریک خلافت کے تمام پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، ڈیمائی، 219 صفحات، قیمت 65 روپے

اردو خبرنامہ

مدرسوں کو دہشت گردی کا اڈہ کہنے والے ثبوت دیں۔۔۔جوشی

● کانپور، 30/ستمبر 2002۔ ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی وزیر ترقی انسانی وسائل نے وشو ہندو پریشد کے بین الاقوامی صدر اشوک سنگھل کے اس بیان کو بے بنیاد بتایا جس میں سنگھل نے ریاست کے مدرسوں کو دہشت گردی کے اڈوں سے موسوم کیا ہے۔ جوشی نے کہا کہ سنگھل اس کے پختہ ثبوت پیش کریں تاکہ ملک دشمن عناصر پر کارروائی کی جاسکے۔ جوشی نے سنیچر کی شام کو یہاں صحافیوں سے بات چیت کے دوران کہا کہ وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل اور شیو سینا کا یہ کہنا بے بنیاد ہے کہ اٹل بہاری واجپئی کی حکومت دہشت گردی سے نپٹنے میں ناکام رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ پردھان منتری نے یہ کبھی نہیں کہا کہ دہشت گردی کو ختم کر دیا گیا ہے۔ لیکن ہم اس حالت میں ضرور پہنچتے جارہے ہیں کہ دہشت گردی کو کچل سکیں۔ انھوں نے کہا کہ دہشت گردی کو فروغ دے رہے پڑوسی ملک پاکستان پر پوری دنیا کا دباؤ ہے۔

(نوبھارت ٹائمس، نئی دہلی)

پٹنہ ہائی کورٹ کی مادری زبان میں تعلیم کی ہدایت

● پٹنہ، 27/ستمبر (پی ٹی آئی)۔ پٹنہ ہائی کورٹ نے کل بہار حکومت کو ہدایت دی کہ وہ ہندستانی آئین میں درج ہدایت کے مطابق پرائمری سطح پر طلبہ کی ان کی مادری زبان میں تعلیم کے انتظامات کرے۔ چیف جسٹس روی ایس دھاون اور جسٹس آراین پرساد پر مشتمل ایک ڈویژن بنچ نے ہدایت جاری کی کہ ریاستی حکومت کی طرف سے وقت بہ وقت جاری ہدایات و آئین کی دفعہ 350اے پر عمل کرتے ہوئے پرائمری سطح پر طلبہ کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دینے کے لیے اساتذہ کو مقرر کیا جانا چاہیے۔ آل انڈیا میتھلی ساہتیہ سمیتی کے صدر جیاکانت مشرا کی طرف سے 1998 میں دائر عرضی پر عدالت سماعت کر رہی تھی۔

(سالار، بنگلور)

پٹنہ میں قومی اردو کونسل کی چلتی پھرتی گاڑی کا خیر مقدم

● پٹنہ، 17/ستمبر۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چلتی پھرتی گاڑی پٹنہ پہنچنے پر اس کا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ اس گاڑی نے سبزی باغ، اشوک راج پتھ، دریاپور، خدا بخش لائبریری، بانکی پور، مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ مسلم ہائی اسکول اور انجمن اسلامیہ ہال میں کیمپ کیا۔ ریاست بہار کی دوسری سرکاری زبان ہونے کے ناطے یہاں شائقین میں اردو کتابیں خریدنے کا ولولہ دیکھا گیا۔

گاڑی کا خیر مقدم کرنے والوں میں بہار اردو ایڈیٹرس کانفرنس کے جنرل سکریٹری انوار الہدیٰ، خدا بخش لائبریری کے ڈائرکٹر ضیاء الدین انصاری، اقلیت گول بند مورچہ کے کارگزار صدر باری اعظمی، راجد اقلیت رہنما جناب شاہنواز کاکوی، سید حسن نظامی، نائب صدر کانگریس ڈاکٹر شکیل الزماں، ارشد عباسی آزاد، سکریٹری کانگریس، جمعیۃ علماء بہار و جھارکھنڈ کے ناظم اعلیٰ الحاج حسن احمد قادری قابلِ ذکر ہیں۔ چلتی پھرتی گاڑی کے ذمے دار وی صدیق نے بتایا کہ ہمارے پاس ہر موضوع پر اردو کتابیں موجود ہیں۔ طلبہ و اساتذہ کے لیے شناختی کارڈ دکھلانے پر چالیس فی صد رعایت دی جاتی ہے۔ اردو کتابوں کی خرید کے لیے سب سے زیادہ ہجوم سبزی باغ، انجمن اسلامیہ ہال، خدا بخش لائبریری کے پاس دیکھا گیا۔ (قومی آواز، دہلی)

● پٹنہ، 19/ستمبر۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیرِ اہتمام اردو کتابوں کو ملک کے گوشے گوشے تک پہنچانے کی مہم کے تحت ایک انوکھا اور کامیاب طریقہ فروختِ کتب اختیار کیا گیا ہے۔ ایک خوبصورت اور دیدہ زیب گاڑی تقریباً 20ہزار مختلف النوع موضوعات کی کتابوں سے مزین اور آراستہ ہے۔ اس موبائل وین میں ہر عمر اور شغل، ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والوں کی دلچسپی اور پسند کے مطابق کتابوں کو جمع کیا گیا ہے اور مناسب قیمت پر شائقین کو مہیا کرایا جارہا ہے۔ آخری دن پٹنہ میں اردو کی کتابیں بہت زیادہ تعداد میں بکیں۔ اس کا سہرا بہار کے کثیر الاشاعت اخبار قومی تنظیم کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس کے مدیر اعلیٰ جناب ایس ایم اشرف فرید کی ذاتی دلچسپی سے شائقینِ کتب کے اندر ایک الگ اور نیا جوش دیکھا گیا۔

بہار کے مختلف اضلاع کے کامیاب سفر سے لوٹنے کے بعد اس موبائل

وین کا چار روز تک پٹنہ میں قیام رہا۔ اگرچہ طے شدہ پروگرام کے مطابق اس موبائل وین کو تین دن تک ہی پٹنہ میں قیام کرنا تھا لیکن شائقین اور صاحبانِ ذوق کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کے سبب منتظمین نے وقت کی قلت کے باوجود مزید ایک روز کی توسیع کی۔

موبائل وین کے پاس سب سے زیادہ رونق پہلے دن سبزی باغ اور آخری دن خدا بخش لائبریری میں نظر آئی، جہاں جھلسا دینے والی گرمی کے باوجود شائقین کا جم غفیر نظر آیا۔

موبائل وین کے انچارج وی صدیق کا کہنا ہے کہ خدا بخش لائبریری کے سامنے قیام کے دوران دیگر کتابوں کے علاوہ، اردو صحافت اور بالخصوص بہار کے اردو صحافیوں اور طنز و مزاح سے متعلق کتابوں کو سب سے زیادہ طلب کیا گیا۔ "اخبار کی کہانی" کی تقریباً پچاس جلدیں پلک جھپکتے ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔ اس کے علاوہ پٹنہ، پھلواری شریف میں تمام اصناف کی کتابوں کی فروخت ہوئی۔

موبائل وین کے انچارج وی صدیق نے بہار اردو ایڈیٹرس کانفرنس اور اقلیت گول بند مورچہ کی جانب سے ملے تعاون پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ موبائل وین میں 20 ہزار کتابیں موجود ہیں جس میں ادب، تاریخ، طب، سائنس، بچوں کی کتابیں، قانون، لغت، لسانیات، مذہب، سیاسیات، اور کمپیوٹر سائنس وغیرہ موضوعات پر کتابیں ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ خریداری میں اردو داں طبقے کی جانب سے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا گیا۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ جہاں بھی موبائل وین گئی، مقامی لوگوں نے کتابیں خریدنے میں اپنی غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

وی صدیق نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ اردو داں طبقے میں قوتِ خرید کم ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگوں تک ہماری کتابیں نہیں پہنچ پاتیں، اسی لیے قومی کونسل نے کتابوں پر 40 فی صد رعایت دی ہے جس کا لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ یہی وجہ ہے کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بہار اردو اکادمی کو 50 فی صد کمیشن پر بہار میں اردو کتابیں فروخت کرنے کے لیے دیتی ہے مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ بہار اردو اکادمی 10 فی صد کی چھوٹ پر وہ کتابیں فروخت کر رہی ہے جس سے کتابیں وہاں پڑی ہوئی ہیں۔

بہار اقلیتی کمیشن کے چیئرمین سہیل احمد خاں نے کہا کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کی سربراہی میں اردو کے فروغ کی جو کوششیں کی جارہی ہیں، ان میں یہ بڑی اہم اور مفید کوشش ہے کہ قریہ قریہ، شہر شہر جاکر اردو زبان کی اہمیت اور اردو کتابوں کی اشاعت کی کوشش کی جائے اور نئی نسل کو اردو زبان سے ناواقف ہونے سے بچایا جاسکے۔ خریداروں کو معقول رعایت کے ساتھ کتابیں فراہم کیے جانے کا شائقین علم کی جانب سے شہر میں اچھا خیر مقدم کیا گیا۔

آخری دن موبائل وین کا معائنہ کرنے والوں میں بہار پردیش کانگریس کمیٹی کے نائب صدر ڈاکٹر شکیل الزماں، بہار اردو اکادمی کے سکریٹری ڈاکٹر رضوان احمد، اردو مرکز کے رکن محمد شکیل استھانوی، اردو کونسل کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر اسلم جاوداں، جاوید اقبال ایڈوکیٹ، ڈاکٹر فیروزی بیگم، ڈاکٹر نورالاحد، ڈاکٹر اشرف جہاں، لکچرر اردو، پٹنہ کالج، راجد لیڈر شہواز کاکوی، مختار احمد، زیبا آفتاب، عادل احمد، ڈاکٹر غزالہ وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

خدا بخش اردو لائبریری کے ڈائرکٹر نے اپنی لائبریری کے لیے لگ بھگ 10 ہزار روپے کی کتابیں خریدیں، ڈاکٹر شکیل الزماں نے نورالہدیٰ اردو گرلس ہائی اسکول کے لیے کئی ہزار کی کتابیں خریدیں، پٹنہ مسلم ہائی اسکول اور الحرا اسکول کے طالب علموں نے کثیر تعداد میں کتابیں خریدیں۔ مدرسہ شمس الہدیٰ اور طبیہ کالج پٹنہ کے طالب علموں نے بھی اپنے اپنے مشغلے کے مطابق بڑی تعداد میں کتابیں خریدیں۔ (قومی تنظیم، پٹنہ)

بلہاری میں کمپیوٹر سینٹر کا افتتاح

● بلہاری، کرناٹک۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور کرناٹک اردو اکادمی کے تعاون سے قائم شدہ کمپیوٹر سینٹر کا افتتاح الحاج آر. روشن بیگ صاحب، وزیر برائے حج اور چھوٹی صنعت اور شری ایم دیواکر بابو، ریاستی وزیر برائے کوآپریشن کے ہاتھوں عمل میں آیا۔

جلسے کی صدارت پروفیسر عبدالوہاب عندلیب، چیئرمین کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور نے کی۔ جلسے میں شری کولور بسوناگوڈا، ممبر پارلیمان، جناب خلیل احمد صاحب رجسٹرار کرناٹک اردو اکادمی کے علاوہ جناب جاوید اختر ڈپٹی کمشنر ضلع بلہاری، شری کوٹرپا، اسسٹنٹ ڈائرکٹر کلچر بلہاری، جناب آر عبدالمجید، رکن کرناٹک اردو اکادمی بطور مہمان خصوصی شریک ہوئے۔ جناب شاہ اشرف علی انور نے استقبالیہ دیا اور جناب ڈاکٹر فہیم پیرزادہ، رکن کرناٹک اردو اکادمی بنگلور نے نظامت کی ذمے داری سنبھالی۔ جناب محمد شکیل صدر و جناب پیچ دادا پیر وکیل، سکریٹری ادارۂ تحفظ و ترقیِ اردو نے شکریہ ادا کیا۔ ضلع بلہاری جہاں 40 فی صد اردو آبادی ہے، میں مذکورہ ادارے نے اردو کے فروغ کے لیے حضرت ٹیپو سلطان کمپیوٹر سینٹر کا آغاز کیا ہے جس کی وجہ سے اردو داں طبقے کو تکنیکی میدان میں پیش رفت کرنے کے مواقع فراہم ہوں گے۔

شری کولور بسوناگوڈا ایم پی بلہاری پارلیمانی حلقے نے جلسے میں حضرت ٹیپو سلطان کمپیوٹر سینٹر کی ترقی کے لیے اپنے ایم پی فنڈ سے 5 لاکھ روپے کے تعاون کا اعلان کیا۔ (ڈاک سے)

کمپیوٹر سینٹر کا دوسرا سالانہ جلسہ

● ترچناپلی، (تمل ناڈو)۔ "اردو داں طبقے کو اب یہ شکایت نہیں ہونا چاہیے کہ اردو زبان کا تعلق روزی روٹی سے نہیں ہے، کیوں کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے اردو کمپیوٹر کو عام کر کے اور ملک بھر میں اردو کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی مراکز کا جال بچھا کر اردو زبان کا تعلق براہ راست روزی روٹی سے جوڑنے کی کامیاب سعی کی ہے، اور یہ قومی کونسل کے ڈائرکٹر جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کی انتھک کوشش اور دوراندیشی کا نتیجہ ہے۔" قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے تعاون سے جمال محمد کالج، ترچناپلی میں چلنے والے کمپیوٹرائزڈ کیلی گرافی ٹریننگ سینٹر میں دوسرے بیچ (2002-2003) کا افتتاح کرتے ہوئے تمل ناڈو گورنمنٹ اردو اکادمی کے وائس چیئرمین، ڈاکٹر سید صفی اللہ نے ان خیالات کا اظہار کیا۔

افتتاحی تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، کمپیوٹر مرکز کے کوآرڈی نیٹر ڈاکٹر پی احمد بادشاہ نے حاضرین اور مہمان خصوصی کا خیر مقدم کیا اور سال گذشتہ کی رپورٹ پیش کی۔ آپ نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور بالخصوص اس کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ اور جمال محمد کالج کی مجلس انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا کہ دونوں اداروں کے اشتراک سے ہی اردو علاقے سے دور تروچناپلی میں اردو کمپیوٹر مرکز کھولنے کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکا۔ انھوں نے کالج کے پرنسپل پروفیسر کے عبداللہ بادشاہ کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے قوم کے نونہالوں میں ایک نیا جذبہ اور ولولہ پیدا کیا ہے۔ آپ نے کالج میں خواتین کی کلاسیں شروع کرنے کے ساتھ اردو کمپیوٹر مرکز کھولنے کی بھی سعی فرمائی، گذشتہ سال اس مرکز میں صرف 38 اسٹوڈنٹس نے داخلہ لیا تھا جبکہ اس سال اس کورس کی مقبولیت میں اضافہ ہوا ہے اور 140 عرضیاں موصول ہوئیں جن میں 70 طلبہ کو داخلہ دیا گیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ گذشتہ سال زیرِ تعلیم کئی طلبہ و طالبات کو اس کی مدد سے روزگار حاصل ہو چکا ہے۔

جمال محمد کالج کے پرنسپل پروفیسر کے عبداللہ بادشاہ نے قومی اردو کونسل کا شکریہ ادا کیا اور امید ظاہر کی کہ یہ مرکز دن دونی رات چوگنی ترقی کرے گا کیوں کہ اس سے اردو والوں کو روزگار کے مواقع زیادہ حاصل ہو رہے ہیں۔

اس موقعے پر وائس پرنسپل جناب پروفیسر اے کمال الدین نے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔ انتظامیہ کے خازن جناب خلیل احمد کے علاوہ کالج کے دیگر شعبہ جات کے اساتذہ اور طلبہ نے اس جلسے میں شرکت کی۔ جناب جلال الدین (کمپیوٹر انسٹرکٹر، انگریزی) کے اظہار شکریہ پر جلسہ اختتام کو پہنچا۔

(ڈاک سے)

دہلی میں اسٹینو گرافی کی آسامیاں فوری طور پر پُر کرنے کا مطالبہ

● آج غالب اکادمی میں آل انڈیا اردو اسٹینو گرافرز ایسوسی ایشن کی جانب سے تیسرے کل ہند اردو ٹائپ نویسی مقابلے کا اہتمام کیا گیا۔ اس مقابلے میں قومی سطح پر 95 امیدواروں نے درخواستیں بھیجیں اور 60 امیدواروں نے شرکت کی۔ اس مقابلے کے افتتاح کے موقع پر آل انڈیا اردو اسٹینو گرافرز ایسوسی ایشن کے صدر جناب محمد سلیم نے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے مطلع کیا کہ دہلی کے تمام دفاتر میں اردو اسٹینو گرافرز اور اردو ٹائپسٹوں کی خالی آسامیوں کو پُر کرانے کے لیے ایسوسی ایشن کی طرف سے جدوجہد کی جا رہی ہے ساتھ ہی دہلی سرکار سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ جلد از جلد خالی آسامیوں پر تقرری کے احکامات جاری کیے جائیں اور حسبِ گنجائش نئی پوسٹوں کو بھی منظوری دی جائے۔

اس موقعے پر غالب اکادمی کے سکریٹری جناب ڈاکٹر عقیل احمد اور دہلی اردو اکادمی میں اردو اسٹینو گرافی کورس کے استاد جناب نجم الاسلام نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ایسوسی ایشن کے عہداران انجم الحق صدیقی، محمد یوسف، منیر انجم، محمد سلیم، محمد تنویر، محمد اعظم وغیرہ نے مقابلے کو سخت محنت سے کامیاب بنانے میں اہم رول ادا کیا۔ (ڈاک سے)

اردو اکادمی دہلی کے سالانہ ایوارڈز کا اعلان

● نئی دہلی، 11 ر ستمبر۔ اردو اکادمی دہلی کے وائس چیئرمین پروفیسر الطاف احمد اعظمی اور چیئرمین ایوارڈ کمیٹی پروفیسر نصیر احمد خاں کے جاری کردہ ایک اعلامیے کے مطابق اردو اکادمی کی ایگزیکیٹو کمیٹی نے ایوارڈ سب کمیٹی کی سفارشات کو منظور کرتے ہوئے اکادمی کے سالانہ ایوارڈز کی توثیق کر دی ہے۔

اکادمی کا سب سے بڑا اعزاز 'بہادر شاہ ظفر ایوارڈ' مبلغ ایک لاکھ 11 ہزار 111 روپے کا جو کل ہند سطح پر ادب کی مجموعی خدمات کے لیے دیا جاتا ہے، پروفیسر قاضی عبدالستار کو دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اردو تحقیق و تنقید کا ایوارڈ شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے استاد پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی کو، تخلیقی نثر کا ایوارڈ معروف ادیبہ پروفیسر صغرا مہدی کو، شاعری کا ایوارڈ ڈاکٹر اسلم پرویز کو، صحافت کا ایوارڈ بزرگ صحافی ایم کاظم کو، بہترین استاد کا ایوارڈ، این ڈی ایم سی سیکنڈری اسکول، باپو دھام کے

منصور عالم کو اور لسانی یک جہتی / ترجمہ کا ایوارڈ حکومت ہند کے ڈائرکٹوریٹ آف ہندی کے سابق ڈائرکٹر پروفیسر گنگا پرساد ومل کو دینے کا اعلان کیا گیا۔ یہ تمام ایوارڈ مبلغ اکیس ہزار روپے، شال، مومنٹو اور سند پر مشتمل ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر احرار حسین کو سائنسی ادب اور ابو جعفر زیدی کو خطاطی کا ایوارڈ (پس از مرگ) دیے جانے کا اعلان کیا گیا۔ یہ دونوں ایوارڈز مبلغ 15000 روپے، شال، مومنٹو اور سند پر مشتمل ہیں۔ (راشٹریہ سہارا دہلی)

آندھرا پردیش اردو اکادمی ایوارڈز کا اعلان

● حیدرآباد، 28 ستمبر۔ آندھرا پردیش اردو اکادمی نے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی 30 شخصیتوں کے لیے کارنامہ حیات ایوارڈ، 51 اردو ٹیچرز کو بیسٹ اردو ٹیچر ایوارڈ اور 48 کتابوں پر انعامات کا اعلان کیا ہے۔ صدر اردو اکادمی سید شاہ نورالحق قادری نے ایوارڈز کی تفصیل جاری کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے مختلف شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دینے والی شخصیتوں کو ایوارڈز کے لیے منتخب کیا گیا تاکہ اردو والوں کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ مسٹر نورالحق قادری نے 5 ممتاز شخصیتوں سے موسوم قومی ایوارڈ دینے کا اعلان بھی کیا اور کہا کہ ان پانچوں قومی ایوارڈ یافتگان کے ناموں کو تقریباً قطعیت دی جا چکی ہے۔ چیف منسٹر سے وقت ملنے کے بعد تاریخ کا اعلان کردیا جائے گا۔ کارنامہ حیات کے لیے جن 30 شخصیتوں کا انتخاب کیا گیا ان کا تعلق شاعری، ڈرامہ، صحافت، تحقیق و تنقید، تعلیم، فلم، ٹی وی، غزل گائیکی، قوالی اور خطاطی کے شعبوں سے ہے۔ کارنامہ حیات ایوارڈ کے تحت 5 ہزار روپے نقد اور توصیف نامہ دیا جائے گا۔ جن افراد کا انتخاب کیا گیا، ان میں 26 کا تعلق حیدرآباد سے ہے جب کہ کریم نگر، کرنول، کڑپہ اور محبوب نگر سے ایک ایک کا تعلق ہے۔ ان میں منوہر راج سکسینہ (اردو تحریک)، ڈاکٹر مجید خاں (ماہر نفسیات)، شاعری میں مولانا جمیل الدین شرفی، ڈاکٹر صادق نقوی، مرزا قاسم بیگ فائق، صلاح الدین نیر، رئیس اختر، گوہر کریم نگری، ضیاء عرفان حسامی، مصطفیٰ علی بیگ، خواجہ ضمیر، فاطمہ تاج، راہی فدائی اور نذیر احمد خاں نیر، تحقیق و تنقید کے شعبے میں مصلح الدین سعدی، ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید، صحافت میں اعجاز قریشی، ملک محمد علی خاں اور سید احمد محی الدین افسر، تعلیم میں ڈاکٹر آنند راج ورما اور ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ، ٹی وی پروڈکشن میں امتیاز علی تاج، شیخ محمود امر اللہ کے علاوہ اطہر افسر (ڈرامہ)، عمر علی خاں (منا خاں) (فلم و ٹی وی سیریل)، حامد کمال (اسٹیج)، خان اطہر (غزل گائیکی)، عائشہ جلیل (فلم و ٹی وی سیریل)، اقبال احمد بندہ نوازی (قوالی گائیکی) اور محمد نعیم صابری (خطاطی) شامل ہیں۔ بیسٹ اردو ٹیچر ایوارڈ کے لیے 51 اردو اساتذہ کا انتخاب کیا گیا جن میں حیدرآباد کے 8، کڑپہ 3، کرنول 3، نظام آباد 3، میدک 2، ورنگل 2، کریم نگر 3، عادل آباد، محبوب نگر اور کرشنا 3، پرکاشم، مغربی گوداوری (ایک ایک)، نیلور 2، وشاکھا پٹنم 2، چتور 3، گنٹور 3، اننت پور، 3 اور رنگاریڈی 3 شامل ہیں۔ اساتذہ کے ایوارڈز میں بعض خانگی مدارس سے تعلق رکھنے والے اساتذہ بھی شامل ہیں۔ جب کہ اردو کے پریس نوٹ میں 50 اساتذہ کو ایوارڈ دینے کا اعلان ہے۔ بیسٹ ٹیچر ایوارڈ کے تحت 5 ہزار روپے اور توصیف نامہ دیا جائے گا۔ اکادمی نے سال 1999، 2000 اور 2001 میں شائع شدہ 48 کتابوں کو بھی انعامات دینے کا فیصلہ کیا ہے جن میں شاعری، طنز و مزاح اور دوسری کتابیں شامل ہیں۔ کتابوں میں پہلا انعام 5 ہزار، دوسرا انعام 4 ہزار اور تیسرا انعام 3 ہزار روپے پر مشتمل ہوگا۔ ایک سوال کے جواب میں مسٹر نورالحق قادری نے بتایا کہ جناب عابد علی خاں، بانی ایڈیٹر روزنامہ "سیاست" اور جناب لطیف الدین قادری، بانی ایڈیٹر "رہنمائے دکن" سے موسوم گولڈ میڈل بھی دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا تاہم بعض وجوہات سے اسے ملتوی کرنا پڑا۔ مسٹر نورالحق قادری نے بتایا کہ ایوارڈ تقریب میں مملکتی وزیر ریلویز مسٹر بنڈارو دتاتریہ، ریاستی وزراء مسرز این فاروق، ٹی سرینواس یادو، ایس چندر موہن ریڈی اور دیگر معززین کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا گیا ہے۔ (سیاست، حیدرآباد)

مہاراشٹر اردو اکادمی کی تشکیل نو

● حکومت مہاراشٹر (محکمہ سماجی انصاف، ثقافتی امور، کھیل اور خصوصی امداد) نے اپنے ایک جی آر 2002 / پر، کا 2 / سا کا 4 مورخہ 16 ستمبر 2002 کے تحت مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی کا نیا بورڈ تشکیل دیا ہے جس میں حسب ذیل عہدے داران شامل ہیں۔

وزیر برائے ثقافتی امور (صدر)، ریاستی وزیر برائے ثقافتی امور (نائب صدر)، پرنسپل سکریٹری، ثقافتی امور (ممبر)، جناب ساجد رشید (کارگزار صدر)، ڈاکٹر عبدالستار دلوی (ممبر)، محترمہ نادرہ ظہیر ببر (ممبر)، ڈاکٹر رام پنڈت (ممبر)، جناب محمد رفیع انصاری (ممبر)، جناب عبدالرشید عبدالقادر (ممبر)، جناب رشید قاسمی (ممبر)، جناب مظہر محی الدین (ممبر)، جناب ابوبکر صدیقی (ممبر)، جناب وقار احمد شیخ (ممبر)، جناب نعیم احمد صدیقی (ممبر)، جناب غلام مصطفیٰ جمیل (ممبر)، ڈاکٹر ظفر خاں پٹیل (ممبر)، جناب رحمت اللہ خاں (ممبر)، جناب سید یحییٰ نشیط (ممبر)، محترمہ کرن دھول (ممبر)، ڈاکٹر محمد لطیف احمد سبحانی (ممبر)، محترمہ شبنم مشتاق خاں (ممبر)،

ڈاکٹر عزیز نداف (ممبر)، جناب شیخ مظہر (ممبر)، جناب آر ایس قاضی (ممبر)۔ (ڈاک سے)

اترانچل میں اردو اکادمی قائم ہوگی

● نئی دہلی، 13ر ستمبر۔ اترانچل کے وزیر اعلا نرائن دت تیواری نے آل انڈیا اردو ایڈیٹرز کانفرنس کو یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ اترانچل میں اردو اکادمی کے قیام کے مطالبے پر غور کر رہے ہیں۔ واضح ہو کہ اردو ایڈیٹرز کانفرنس کے صدر م۔ افضل نے انھیں اس جانب متوجہ کرتے ہوئے 18ر جولائی کو اپنے مکتوب میں لکھا تھا کہ پورے ملک کے 20 صوبوں میں اردو اکادمیاں قائم ہیں لیکن نو تشکیل شدہ ریاست اترانچل ابھی تک اس سے محروم ہے جبکہ اس ریاست میں اردو داں حضرات کی خاطر خواہ آبادی ہے اور ہندی کے بعد اردو ہی ریاست کی سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہے۔ ریاست کے ہلدوانی، نینی تال، دہرہ دون، اودھم سنگھ نگر، کاشی پور، جوالا پور اور رڑکی جیسے اضلاع میں اردو بطور اختیاری مضمون کے پڑھائی جارہی ہے۔ لہٰذا ریاست کے اردو داں حضرات کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے وہاں اردو اکادمی قائم کی جائے تاکہ ریاست میں اردو زبان و ادب کو فروغ حاصل ہو سکے۔ م۔ افضل کے خط کے جواب میں وزیر اعلا اترانچل نے اپنے آج موصولہ خط میں اس سلسلے میں غور کرنے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ (قومی آواز، دہلی)

غالب اکادمی میں "مہاجرت کی تہذیب" پر توسیعی خطبہ

● نئی دہلی۔ برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک میں آباد ہندستانیوں کی زندگی، معاشرت اور ان کے مستقبل کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں پیدا ہونے والے کئی سوالوں کے جواب کل شام لندن سے آئے ہوئے اسکالر ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب نے فراہم کیے۔ انھوں نے کہا کہ برصغیر کے دوسرے ایشیائیوں کی طرح ہندستان کے مختلف علاقوں اور فرقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنی شناخت کو پوری طرح محفوظ رکھے ہوئے ہیں، جس کے مغربی طرزِ معاشرت میں گم ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ڈاکٹر شکیب غالب اکادمی میں "مہاجرت کی تہذیب" کے موضوع پر توسیعی خطبہ دے رہے تھے۔ اس جلسے کی صدارت پروفیسر نثار احمد فاروقی نے کی۔ پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے تعارفی تقریر کی۔ ڈاکٹر شکیب جو لندن میں مقیم ہیں، برطانیہ میں اردو بولنے والے ہندستانیوں کی تعلیمی و تہذیبی سرگرمیوں کے روحِ رواں ہیں۔ انھوں نے تفصیل کے ساتھ برطانیہ اور برصغیر سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہونے والوں کی ذہنی کیفیت اور مسائل پر روشنی ڈالی اور ان کے اور اصل یورپی باشندوں کے مزاج کے فرق پر بھی روشنی ڈالی۔

انھوں نے کہا کہ برطانیہ میں ہندستانیوں کی اب تیسری نسل وجود میں آچکی ہے۔ ان تینوں نسلوں کے درمیان خود مزاج اور ترجیحات کا فرق ہے۔ خاص طور سے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ تیسری یعنی نوعمر نسل میں اردو لکھنا پڑھنا سیکھنے کا رجحان خاصا بڑھ چکا ہے جو پچھلی نسل میں نہیں تھا۔ نئی نسل میں اپنی مادری زبان سے داخلی لگن کے علاوہ اردو تعلیم کی سہولیات بھی اب خاصی وسیع ہو چکی ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ اردو کو برطانیہ میں تین خاص غیر ملکی زبانوں میں تسلیم کر لیا گیا ہے۔ مغرب میں خصوصاً لندن میں ہندستانیوں نے اپنی الگ بستیاں بسا کر اور ایک دوسرے سے مل کر غریب الوطنی کے احساس کو دور کیا اور دوسری طرف انگریزوں نے بھی اس علاحدہ سکونت کی حوصلہ افزائی کی کیوں کہ دونوں میں ہم آہنگی کی کمی تھی۔ مثلاً انگریز تیار ہندستانی کھانوں کو تو بے حد پسند کرتے ہیں لیکن ان کے پکانے کے عمل (مصالحے کی بو وغیرہ) کی تاب نہیں لا سکتے۔ اس طرح ہندستانی اور دوسری برادریوں کے مختلف علاقے آباد ہیں۔ مغرب پر ہندستانی تہذیب کے صحت مند اثرات میں ایک خاص چیز جو ڈاکٹر شکیب نے بیان کی، یہ ہے کہ بہت سے انگریز اب شادی کے رشتے کو مشرق کی طرح زیادہ سنجیدگی سے برتنے لگے ہیں۔

اس موقعے پر متین امروہوی نے مہمان اسکالر کے استقبال میں نظم پیش کی۔ جناب خواجہ حسن ثانی نظامی نے استقبالیہ تقریر کی۔ (ڈاک سے)

"اردو تحقیق: مسائل اور امکانات" کے موضوع پر توسیعی خطبہ

● حیدرآباد، 26ر ستمبر۔ شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ کی جانب سے توسیعی خطبہ دیتے ہوئے نامور محقق، ڈاکٹر ضیاء الدین احمد شکیب نے کہا کہ صرف حیدرآباد ہی نہیں بلکہ سارے دکن کو تاریخی تحقیق میں اولیت حاصل ہے۔ شہر حیدرآباد کو مختلف تہذیبوں کا گہوارہ قرار دیتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ اس شہر میں صرف آریہ، دراوڑی، عرب اور ترکی قوموں کے آثار ہی دکھائی نہیں دیتے بلکہ ڈچ، فرنچ، برطانوی اور آذر بائیجانی قوموں کی یادگاریں بھی محفوظ ہیں۔ "اردو تحقیق: مسائل اور امکانات" کے زیرِ عنوان خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر ضیاء الدین احمد شکیب نے کہا کہ تحقیق میں صرف ماضی کے آثار کا تحفظ ضروری نہیں ہے بلکہ ماضی کی حفاظت سے حال کی تعمیر اور مستقبل کی

تشکیل بھی ضروری ہے۔ ماضی کے آثار غائب ہوتے جارہے ہیں یہ ایک محقق کی ذمے داری ہے کہ وہ ماضی کے آثار کو محفوظ کرنے کے سلسلے میں اپنی دیانت داری کا ثبوت دے۔ انھوں نے ریسرچ اسکالرز کو مشورہ دیا کہ وہ مقامی ادب کا گہرائی سے مطالعہ کریں۔ دکن میں لکھی جانے والی زبان "دکنی" کے آثار کی دریافت اور اس کی حفاظت تو ہو چکی لیکن مغل دور میں دہلی سے حیدرآباد منتقل ہونے والے شاعروں اور ادیبوں سے جس حیدرآبادی دبستان کا وجود ہوا، اس کی زبان اور محاورے پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

آرٹس کالج کے کانفرنس ہال میں اس توسیعی خطبے کا آغاز ایم اے سال آخر کی طالبات کے ترانۂ اقبال سے ہوا۔ معتمد بزمِ اردو، عبدالقوی صدیقی نے استقبالیہ کلمات پیش کیے جبکہ ڈاکٹر مجید بیدار، مشیر خصوصی نے مہمان خصوصی کا تعارف پیش کیا۔ پروفیسر بیگ احساس صدر شعبۂ اردو نے اپنے صدارتی خطاب میں ڈاکٹر شکیب کے لیکچر کے اہم خطوط کا احاطہ کرتے ہوئے اسے طلبہ اور اساتذہ کے ذہنوں میں روشنی پیدا کرنے والا قرار دیا۔ پروفیسر سلیمان صدیقی، مصطفی علی سروری، سید حامد اور موسیٰ اقبال نے موضوع سے متعلق سوالات کیے جن کا ڈاکٹر شکیب نے تشفی بخش جواب دیا۔ ڈاکٹر مجید بیدار نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ (سیاست، حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو اترپردیش کا جلسہ

● ٹانڈہ، رامپور، 16؍ستمبر۔ انجمن ترقی اردو، اترپردیش کا ایک جلسہ مسعود منزل، ٹانڈہ (رامپور) میں صوبائی انجمن کے سینئر رکن جناب بلبیر سرن رستوگی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ انجمن کے صوبائی خازن جناب شوق امروہوی نے کہا کہ الیکشن کے موقعے پر سیاسی پارٹیاں اردو والوں سے جھوٹے وعدے کرکے ان سے ووٹ حاصل کرلیتی ہیں اور پھر اگلے الیکشن تک انھیں بھلائے رکھتی ہیں۔ انجمن ترقی اردو اترپردیش کے جنرل سکریٹری محمود الظفر رحمانی، ایڈوکیٹ نے کہا کہ ملک کی آزادی کے بعد سے آج تک اردو کے ساتھ سوتیلے پن کا سلوک کیا جارہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو اور ہندی دو سگی بہنوں کی طرح ہیں۔ اردو کسی ایک فرقے کی زبان نہیں بلکہ سب کی زبان ہے ہاس میں کشش اور مٹھاس ہے۔ یہ آپس میں اتحاد پیدا کرتی ہے اور حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

جناب بلبیر سرن رستوگی نے کہا کہ اب اردو کے ساتھ اور ناانصافی برداشت نہیں کی جائے گی، اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے انجمن ترقی اردو، اترپردیش، دہلی، لکھنؤ اور ریاست کے تمام علاقوں میں احتجاجی پروگرام کرے گی اور اگر ضرورت پڑی تو اس کے دفاع کے لیے قانونی چارہ جوئی بھی کرے گی۔ اس سلسلے میں صوبے کا دورہ کرنے کے لیے اور آئندہ کا لائحۂ عمل طے کرنے کے لیے جناب چودھری شرف الدین، جناب محمود الظفر رحمانی، جناب شوق امروہوی، محترمہ وینا گپتا، ڈاکٹر وکیل احمد ہاشمی، جناب بلبیر سرن رستوگی پر مشتمل کمیٹی کی تشکیل کی گئی۔

جلسے کو حافظ محمد تشکیل، ڈاکٹر عتیق احمد خاں، ماسٹر ظفر احمد، ماسٹر محمد اکرام، حاجی سلیم احمد، عبدالحکیم، ماسٹر اشفاق، بیگم مشیدہ، زرینہ بیگم، محترمہ فرحین صدیقی، افضال احمد وغیرہ نے بھی خطاب کیا۔ نظامت سنرائز انٹر کالج کے منیجر سعید المظفر رحمانی نے کی۔ (ڈاک سے)

اترپردیش اردو رابطہ کمیٹی کے زیر اہتمام ہندی دوس منایا گیا

● فیض آباد، 17؍ستمبر۔ اترپردیش اردو رابطہ کمیٹی کے زیر اہتمام ریاستی صدر ڈاکٹر عرفی کی قیام گاہ پر اودھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر رام اچل سنگھ کی صدارت میں 'ہندی دوس' منایا گیا۔ اس موقعے پر ہندی اور اردو کے ادیبوں اور دانشوروں کے مجمعے میں ڈاکٹر عرفی نے اردو کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کا ذکر کیا۔ انھوں نے شکایت کی کہ ہندی والے آگے بڑھ کر اس کے خلاف آواز کیوں نہیں بلند کرتے۔ انھوں نے کہا کہ ہندی اور اردو انسانیت کی دو آنکھوں کے مانند ہیں، اگر ایک آنکھ کی روشنی میں کمی آئے گی تو اس سے اس کا چہرہ بگڑا ہوا نظر آئے گا۔ ساہتیہ بھوشن پنڈت پریم شنکر مشرا نے کہا کہ اردو والوں کی جانب سے ہندی دوس کا اہتمام ان سیاسی لوگوں کے منھ پر طمانچہ ہے جو زبان کے نام پر نفرت کا بیج بوتے ہیں۔ پریس کونسل کے ممبر روزنامہ "جن مورچہ" کے مدیر شیتلا سنگھ نے کہا کہ ہندی کو اپنے ہی دیش میں راج بھاشا کا درجہ نہیں مل سکا، یہ اس ملک کی بدقسمتی ہے۔ ساکیت ڈگری کالج کے صدر شعبۂ ہندی ڈاکٹر ترپاٹھی نے ہندی کی بدحالی کے لیے ایسے لوگوں پر سخت تنقید کی جو سماج میں طرح طرح سے فرقہ واریت کا زہر بو رہے ہیں۔ شعبۂ تاریخ کے صدر ڈاکٹر وجے پانڈے، ڈاکٹر یحییٰ خاں، ڈاکٹر جگناتھ ترپاٹھی، بھورالی اگروال، سرلا منوچا، ضلع کانگریس کے ترجمان ڈاکٹر اقبال مرتضیٰ، صحافی سمن گپتا، عارف صدیقی، فاروق فیض آبادی، ہائی کورٹ کے سرکاری وکیل مانک چندر سنہا، مرول فیض آبادی اور راما نند ساگر نے بھی جلسے کو خطاب کیا۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ کی عمارت کا سنگ بنیاد

● بھوپال، 24؍ستمبر۔ مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ کے یوم تاسیس اور

مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ کی ذاتی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے مدھیہ پردیش کے وزیرِ اعلیٰ جناب دگ وجے سنگھ نے کہا کہ ہمارے ملک کا مزاج کبھی فرقہ پرستانہ نہیں رہا۔ انھوں نے کہا کہ ریاست کے ہونہار میرٹ یافتہ مسلم طلبہ کے لیے غریب نواز فاؤنڈیشن قائم کیا گیا ہے تاکہ وہاں مسلم طلبہ کو مقابلہ جاتی امتحانوں کا اہل بنایا جاسکے۔ اس کام کے لیے وزیرِ اعلیٰ نے ایک کروڑ روپیے کی رقم اور زمین دینے کا اعلان کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہندستان کے مسلمان کرکٹ ٹیم کے بارھویں کھلاڑی نہیں ہیں بلکہ وہ ٹیم کے اہم کھلاڑی اور کپتان بھی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مدرسوں پر آئی ایس آئی کا ایجنٹ ہونے کا الزام بے بنیاد ثابت ہوچکا ہے۔ اس موقعے پر ریاست کے وزیر تعلیم جناب اندر جیت کمار پٹیل نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج کی تعلیم کا تعلق ہماری آئندہ نسل سے ہے۔ ہمارا مقصد ہے کہ وہ پوری طرح ترقی یافتہ اور خود پر منحصر ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ اسی سمت میں کام کررہا ہے۔

وزیرِ اقلیتی بہبود جناب عارف عقیل نے کہا کہ وہ پورے ملک کے مسلمانوں کی طرف سے دگ وجے سنگھ صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے ریاست میں مسلمانوں کو ایک باعزت ماحول دیا ہے۔ مدھیہ پردیش مدرسہ بورڈ کے چیئرمین پروفیسر محمد حلیم خان نے اپنے استقبالیہ خطبے میں کہا کہ آج سے ٹھیک 67 دن پہلے محترم وزیرِ اعلیٰ نے مدرسہ بورڈ کو اس کی اپنی عمارت کے لیے زمین دینے کی بات کہی تھی اور آج وہ اس عمارت کا افتتاح کررہے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ عالی مرتبت جو کچھ بھی کہتے ہیں اسے پورا کرکے دکھاتے ہیں۔

دہلی سے تشریف لائے ہوئے سابق ممبر پارلیمنٹ جناب م. افضل نے اپنے خطاب میں کہا کہ آج جب پورے ملک میں مدرسوں کے خلاف ایک مہم جاری ہے، ایسے وقت میں مدھیہ پردیش کے وزیرِ اعلیٰ مدرسوں کی سرپرستی کر رہے ہیں اور انھیں آگے بڑھا رہے ہیں۔ دہلی سے آئے ہوئے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ مدارس جہاد کی تعلیم نہیں دیتے بلکہ مجاہدہ کرتے ہیں اور یہی اسلام ہے۔ انھوں نے اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ محترم وزیرِ اعلیٰ نے ایک روایت کو توڑا ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کی بستیوں میں اب تھانوں کے بجائے اسکول کھولے جارہے ہیں۔

مفتی عبدالرزاق صاحب ممبر مدرسہ بورڈ نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ پروگرام کی نظامت کے فرائض ڈاکٹر شفقت محمد خاں نے انجام دیے۔ تقریب میں مدھیہ پردیش وقف بورڈ کے چیئرمین عبدالغفور قریشی، مرکزی اقلیتی مالیاتی کمیشن کے چیئرمین قاری محمد میاں مظہری، مدھیہ پردیش اقلیتی کمیشن کے چیئرمین ابراہیم قریشی، پروفیسر اے ایم خسرو، مولانا سلمان حسینی، مدارس کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ معززینِ شہر موجود تھے۔ (ڈاک سے)

آئینِ ہند میں اقلیتوں اور ان کی زبانوں کو خصوصی حقوق

● نئی دہلی، 27 ستمبر۔ "اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ بشمول اردو مختلف ریاستوں، علاقوں کے لیے سرکاری اور تعلیمی استعمال کی وضاحت کرتے ہوئے اقلیتوں کی زبانوں کے سلسلے میں ایک مرکزی قانون کی تشکیل ہو۔ اس طرح کا کوئی قانون تبھی بامعنی ہوسکے گا جب کسی زبان اور رسم خط کے وجود کے حق کو تسلیم کیا جائے گا۔" یہ وہ باتیں ہیں جن پر کل شام کانسٹی ٹیوشن کلب میں معروف تھنک ٹینک انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز کی شائع کردہ کتاب Readings on Minorities Perspective & Documents, Vol.III کی رسمِ اجرا کے موقعے پر تمام شرکاء کو اتفاق تھا۔ "آئینِ ہند کے تحت اقلیتی زبانوں کے تحفظ" کے موضوع پر منعقدہ پروگرام میں اپنی طرز کی واحد کتاب کی اس تیسری جلد میں زبان، رسمِ خط، تعلیم اور تہذیب پر ہندستانی آئینی گنجائش کی شمولیت کے طریقۂ کار پر بحث کی گئی ہے۔ جن اہم لوگوں نے اس میں شرکت کی ان میں ہندستان کے اٹارنی جنرل سولی جے سوراب جی، سابق چیف جسٹس اے ایم احمدی، ماہر تعلیم پروفیسر امریک سنگھ، محترمہ پروفیسر نیرا چند ہوکے، پروفیسر ٹی کے اومن، چانسلر، جامعہ ہمدرد سید حامد اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے سابق وائس چانسلر حامد انصاری شامل تھے۔ سولی سوراب جی نے آئینِ ہند کے تحت مجموعی طور پر اقلیتوں اور ان کی زبانوں کو خصوصی طور پر فراہم کیے گئے حقوق کا دفاع کیا۔ انھوں نے کہا کہ ان حقوق کو کسی بھی حالت میں چھینا نہیں جاسکتا۔ اے ایم احمدی نے اقلیتوں کی زبانوں کو آئینِ ہند کے تحت دیے گئے تحفظات و مراعات پر اظہار خیال کیا۔ پروفیسر امریک سنگھ نے کہا کہ آئین ساز اسمبلی میں آئین کی دفعہ 345, 346, 347 کی توسیع کے سلسلے میں جو توجہ ضروری تھی اسے نہیں مل سکی۔ حامد انصاری نے کہا کہ اقلیت کا معاملہ اب کسی کا خانگی مسئلہ نہیں رہا بلکہ اسے بین الاقوامی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ لیکن انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ اردو کے تحفظ کی اصل ذمّے داری ان لوگوں کی ہے جنھیں زبان سے واقعی محبت ہے۔ پروفیسر نیرا چند ہوکے نے کہا کہ کسی بھی سماج کے لیے لینگویج کلچرل بڑی اہم چیز ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ستم ظریفی نہیں تو کیا ہے کہ ہندستانی فلموں میں محبت کی زبان کے طور پر اردو زندہ ہے۔ لیکن سماج میں عملی طور پر اس کا اثر ختم ہوتا جارہا ہے۔ مذاکرے کی صدارت کرتے ہوئے سید حامد نے کہا کہ کوئی بھی زبان دراصل کسی سماج کے تحفظ کا حصہ ہے اور یہی بات اردو پر بھی صادق آتی

ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز کے ڈائرکٹر پروفیسر ظفر احمد نظامی نے مذاکرے کی نظامت کرتے ہوئے کہا کہ افسوس کی بات ہے کہ آزادی کے بعد سے لے کر اب تک متعدد مذاکروں نیز سرکاری وغیر سرکاری رپورٹوں کے باوجود اردو کو ہندستان میں اس کا جائز مقام نہیں مل سکا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ گجرال کمیٹی کے خالق اندر کمار گجرال بھی اپنی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں اردو کے لیے کچھ نہ کرسکے۔ (سیاست، حیدر آباد)

الہ آباد میں "تدریسِ زبان و ادب" پر مذاکرہ

● الہ آباد، یکم اکتوبر۔ ممتاز ناقد شمس الرحمن فاروقی نے آج یہاں کہا کہ "فی الوقت اردو زبان، ہندی اور انگریزی کے زبردست دباؤ میں ہے۔ زبان وادب کا معیار پست ہوگیا ہے۔ جو زبان عام طور سے لکھی جارہی ہے وہ غلط ہے۔ ہم لوگوں کو اردو زبان اور اس کی تدریس کے زوال کے اسباب پر غور کرنا چاہیے۔" وہ آج یہاں تدریسِ زبان وادب کے موضوع پر منعقدہ سمینار سے خطاب کررہے تھے۔ انھوں نے اردو کی درسی کتب کے معیار پر اپنے عدمِ اطمینان کا اظہار کیا اور اس پر اپنی ناراضگی بھی جتائی۔ مسٹر شمس الرحمان فاروقی نے اردو کے متبادل الفاظ کی جگہ ہندی، انگریزی کے الفاظ استعمال کیے جانے کو غلط قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت اردو املا اور تلفظ دونوں غلط کیا جارہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو شعرا وادبا کی تاریخ پیدائش اور وفات پر نئی تحقیق کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود ابھی تک پرانی تاریخیں پڑھائی جارہی ہیں۔ انھوں نے تجویز پیش کی کہ اردو کا ایک معیاری قاعدہ مرتب کیا جائے۔ یہ کام اردو کے کئی ادارے مل کر کریں تاکہ وہ سب کے لیے قابلِ قبول ہو۔ الہ آباد یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے سابق صدر پروفیسر سید محمد عقیل رضوی نے شمس الرحمن فاروقی کی اس تقریر کے بعض حصوں سے شدید اختلاف کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہمارے اوپر ہندی، انگریزی کا تہذیبی دباؤ ہے، اس لیے زبان میں تبدیلی آنا بالکل فطری ہے۔ پروفیسر عقیل رضوی نے اپنے خطبے میں جابجا ہندی کے الفاظ استعمال کیے۔ ماہر لسانیات علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، ڈاکٹر خلیل اللہ بیگ نے کہا کہ اردو ہندی بنیادی طور پر ایک زبان ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو کو اگر روزگار سے جوڑ دیا جائے تو لوگ شوق سے اردو سیکھیں گے۔ افسانہ نگار غضنفر نے مشورہ دیا کہ اردو کے مدرسین اپنے پیشے میں سنجیدہ تدریسی رویہ اختیار کریں۔ جلسے کی نظامت ڈاکٹر علی احمد فاطمی نے کی۔ سمینار میں ایم اے قدیر، ڈاکٹر اشفاق حسین، عتیق الہ آبادی، شاہ سعود، عزیز الہ آبادی، خواجہ جاوید، اختر حسین جیلانی اور سیف الدین وغیرہ شریک تھے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

کلکتہ میں "اردو میڈیم تعلیمی درس گاہوں کے مسائل اور ان کا حل" کے موضوع پر سمینار

● کلکتہ۔ مغربی بنگال اقلیتی ترقیاتی و مالیاتی کارپوریشن اور مغربی بنگال اردو اکادمی کے تعاون سے 7 ستمبر کو مج ہاؤس میں "اردو میڈیم تعلیمی درس گاہوں کے مسائل اور ان کا حل" کے عنوان سے ایک سمینار کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام کا افتتاح مغربی بنگال اردو اکادمی کے چیئرمین مولانا معصومی نے کیا۔ وزیر برائے اقلیتی امور محمد سلیم صدر کی حیثیت سے اور الامین تحریک کے بانی ڈاکٹر ممتاز احمد خاں نے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ مولانا معصومی نے کہا کہ اردو اکادمی اردو میڈیم تعلیمی درس گاہوں کی جانب شروع سے ہی توجہ دے رہی ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ بعض ادارے ایسے بھی ہیں جہاں ہائی سیکنڈری میں صرف آرٹ کا شعبہ موجود ہے۔ لہٰذا ایسے اداروں کو سائنس سیکشن کی اجازت ملنی چاہیے۔ پرائمری اسکولوں میں حکومت کی طرف سے کتابیں دی جاتی ہیں لیکن اس سال بعض اسکولوں میں کتابیں نہیں دی گئیں۔ لہٰذا محکمہ تعلیم کو ان مسائل کی نوعیت سمجھتے ہوئے اپنی کوششیں جاری رکھنی چاہئیں۔ ریاستی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین جسٹس خواجہ محمد یوسف نے کہا کہ اردو میڈیم اسکولوں میں بنگلہ زبان کی تعلیم شروع نہیں ہوئی تو مستقبل میں مسلمانوں کو سرکاری دفاتر میں چپراسی کی ملازمت حاصل کرنا بھی مشکل ہوجائے گا۔ انھوں نے کہا کہ ریاستی حکومت کے اقلیتی کمیشن نے درجہ ششم سے بنگلہ زبان کی تعلیم کو لازمی قرار دینے اور تقریباً 500 پرائمری اسکولوں کی مالی امداد کے بغیر منظوری دینے کی بھی سفارش کی ہے۔ مگر بیوروکریسی کی مداخلت کے سبب یہ سفارشات سابق وزیر اعلیٰ جیوتی باسو اور بدھا دیب بھٹا چاریہ کی جانب سے آگے بڑھنے کے باوجود رک گئی ہیں۔ ریاستی وزیر برائے اقلیتی امور محمد سلیم نے اردو میڈیم اسکولوں میں اساتذہ کی جگہ خالی ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اردو میڈیم اسکول کے حکام، کی عدمِ بیداری کے سبب لائبریری، لیبارٹری، انفارمیشن ٹیکنالوجی اور تکنیکی تعلیم کی سہولتیں موجود نہیں ہیں۔ انھوں نے اسکولوں کے حکام کو وقت کے ساتھ چلنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ آپسی رسہ کشی کے سبب اکثر کچھ لوگ ڈیڑھ اینٹ کی اپنی الگ مسجد بنالیتے ہیں۔ اپنا الگ اسکول قائم کرنے کے بجائے موجود اسکول کو بہتر بنانے کے لیے کام کیا جانا چاہیے۔ آج اجتماعی طور پر کام کرنے کی بہت اہمیت ہے۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے پرو چانسلر اور الامین تحریک (کرناٹک) کے بانی ڈاکٹر ممتاز احمد خاں نے کہا کہ اردو میڈیم اسکولوں کے طلبہ وطالبات احساسِ کمتری کا شکار ہیں۔ مگر دستور میں اقلیتوں کی زبان اور مذہب کے تحفظ کا یقین دلایا گیا ہے۔ انھوں نے زور دیا کہ اردو کے ساتھ

ریاستی زبان اور انگریزی کی تعلیم کو بھی اہمیت دی جائے۔ بنگال میں اردو اسکول احساسِ کمتری دور کریں، جنوب میں اردو اسکولوں نے کافی ترقی کی ہے۔ سیمینار میں اساتذہ، دانشوروں اور سماجی کارکنوں نے بھی مسائل اور ان کے حل کے لیے تجاویز پیش کیں۔ (سالار، بنگلور)

[illegible]

● بھوپال، 5/ اکتوبر۔ "علامہ اقبال کی دور بیں نگاہ نے موجودہ تغیرات خصوصاً اقدار کے زوال نیز ماضی اور مستقبل کو عالمی پس منظر میں بہت پہلے دیکھ اور سمجھ لیا تھا۔ ان کے یہاں قدیم ہندستانی، اسلامی اور مغربی فلاسفی کی آمیزش سے بے شمار نئے معنی پیدا ہوئے۔"

کل ہند علامہ اقبال ادبی مرکز، بھوپال کی جانب سے منعقد 'ملاقات پروگرام' میں مشہور نقاد و محقق پروفیسر شمیم حنفی نے مذکورہ خیالات کا اظہار کیا۔ سوراج بھون میں منعقدہ ملاقات میں مشہور شاعر جناب اختر سعید خاں اور پروفیسر مظفر حنفی نے بھی علامہ اقبال کے فلسفے، شاعری اور افکار و خیالات پر اپنی تقریروں سے سامعین کو مستفید کیا۔

ابتدا میں اقبال مرکز کے سکریٹری پروفیسر آفاق احمد نے معزز مہمانوں کا تعارف کرایا۔

پروفیسر مظفر حنفی نے صنفِ نازک کے تعلق سے ڈاکٹر اقبال کے خیالات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ان کے خیالات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ آزادیِ نسواں کے مخالف تھے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے بلکہ وہ آزادیِ نسواں کے مغربی طریقۂ کار سے متفق نہیں تھے۔ وہ تعلیمِ نسواں کے ساتھ عورت کے عورت پن کو برقرار رکھنے کے حامی تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ تعلیم کے ساتھ ان کے کردار کی بھی تشکیل و تربیت ہو۔ (قومی آواز، دہلی)

حیدرآباد میں محفل اقبال شناسی

● حیدرآباد، 30/ ستمبر۔ اقبالیات کے نامور اسکالر جناب سید امتیاز الدین، شریکِ معتمد اقبال اکادمی نے علامہ اقبال کے مجموعۂ کلام "ضربِ کلیم" کی مشہور نظم "ذوق و شوق" کو اقبال کے شاعرانہ تخیلاتی سفر کی معراج قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ نظم اقبال کی بہترین نظموں میں سے ایک ہے جس میں شاعر، فلسطین سے مدینہ منورہ تک تصور میں سفر کرتا ہے۔ وہ جامع مسجد عالیہ، گن فاؤنڈری میں اقبال شناسی کی محفل سے مخاطب تھے۔ انھوں نے بتایا کہ اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے انگلستان پہنچے۔ اقبال کا یہ دورہ سیاسی نوعیت کا حامل تھا لیکن ان کے دورے سے اردو شعر و ادب کو غیر معمولی فائدہ پہنچا۔ اقبال نے اپنے دورے میں جو نظمیں کہی ہیں، وہ نہ صرف ان کی شاہکار نظمیں ہیں بلکہ اردو شاعری کے لیے بھی سرمایۂ افتخار ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اقبال، انگلستان سے اسپین گئے، وہاں انھوں نے جو نظمیں کہی ہیں، ان میں "مسجدِ قرطبہ" ایک شاہکار نظم ہے۔ اقبال وہاں سے اٹلی گئے، وہاں ان کی ملاقات مسولینی سے ہوئی پھر اس کے بعد وہ مصر گئے وہاں انھیں فلسطین کے مفتیِ اعظم سید امین الحسینی کی طرف سے یہ دعوت نامہ ملا کہ فلسطین میں بہت بڑے پیمانے پر عالمی اسلامی کانفرنس ہو رہی ہے۔ ان سے درخواست کی گئی کہ وہ مسلمانانِ ہند کی نمائندگی کریں۔ جب فلسطین گئے تو حسنِ اتفاق سے شبِ معراج تھی۔ وہ اس موقعے پر مسجد اقصیٰ میں موجود تھے۔ اس عاشقِ رسول کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ اپنے عشق کی انتہا کا اظہار کرے۔ امتیاز الدین نے کہا کہ اقبال اپنی نظم "ذوق و شوق" میں مسلمانوں کی موجودہ حالت سے متفکر ہو کر نبی کریم ﷺ کے حضور میں عرضِ مدعا کرتے ہیں۔ ابتدا میں قرأت کلام پاک کے بعد جناب وجیہہ الدین احمد نے کلامِ اقبال سنایا۔ جناب غلام یزدانی سینئر ایڈوکیٹ نے مقرر کا تعارف کرایا اور آخر میں لیکچر پر اپنے مختصر تبصرے میں کہا کہ مقرر نے جہاں پر مغز و معلومات آفریں خطاب کیا، وہیں اس سے گرمی و حرارتِ ایمانی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ (سیاست، حیدرآباد)

بھارتیہ گیان پیٹھ کے زیر اہتمام ادبی تقریب

● نئی دہلی، 6/ اکتوبر۔ "بے چینی یا کرب ایک فنکار کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ یہ بے چینی تخلیقی کار کی زندگی میں حدت پیدا کرتی ہے۔ اس کی بدولت وہ سرگرمِ تخلیق و عمل ہوتا ہے اور کسی نہ کسی منزل پر پہنچ کر دم لیتا ہے۔ فنکار وہ ہے جو تکمیل کا خواہش مند ہے اور میرے خیال سے ہر فرد فنکار ہے خواہ وہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں سرگرم ہو۔ ان خیالات کا اظہار اردو کے ممتاز افسانہ نگار پروفیسر جوگندر پال نے گزشتہ روز بھارتیہ گیان پیٹھ کے زیرِ اہتمام ایک تقریب میں کیا۔ یہ تقریب انڈیا ہیبی ٹیٹ سینٹر کے کچھ رینہ ہال میں منعقد کی گئی تھی۔

جناب جوگندر پال نے کہا کہ انسان غلطیاں کرتا ہے۔ وہ آدمی بدقسمت ہے جو غلطیاں نہیں کرتا۔ غلطیوں سے انسان کو سبق حاصل ہوتا ہے اور بہت ساری بہترین اور اچھی باتیں سامنے آجاتی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ناکامی آدمی کو بڑا بناتی ہے۔ میرے خیال سے ہر بڑا آدمی ناکام ہوتا ہے۔ اس کی ناکامیاں دوسروں کے لیے کامیابیوں کا زینہ ثابت ہوتی ہیں۔ ناکامیوں سے بچنے کی کوشش کبھی نہیں کرنا چاہیے۔

موصوف کا خیال تھا کہ اچھا ادب اسی معاشرے میں جنم لیتا ہے جس میں قارئین اچھے ہوں۔ انھوں نے کہا کہ ادب ایک مسلسل تجربہ ہے۔ ادب کی تخلیق کے دوران اچھائی یا برائی کا دوٹوک فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ تخلیق کار کو کردار کے ساتھ پوری ایمانداری اور سچائی کے ساتھ جینا پڑتا ہے تب ادب پیدا ہوتا ہے۔

اس تقریب کی صدارت اردو اور ہندی کے مشہور ادیب مسٹر دیوندر اسر نے کی۔ نظامت کے فرائض مسٹر پربھاکر شروتریہ نے انجام دیے۔ "دبھاؤ" عنوان سے ہونے والی اس تقریب میں کئی ممتاز ادیبوں، شاعروں اور افسانہ نگاروں نے شرکت کی۔ (قومی آواز، دہلی)

چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں ماس میڈیا پر مذاکرہ

● میرٹھ، 28/ستمبر۔ دوردرشن کے اے ایس ڈی انجم عثمانی نے کہا ہے کہ "انسانی زندگی میں ترسیل کی بے حد اہمیت ہے۔ ہر دور اور ہر مقام پر ترسیل کی اہمیت یکساں رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے ذرائع بدلتے رہتے ہیں۔ ترسیل کا مطلب یہ نہیں کہ کسی کی بات سنی جائے بلکہ ضروری یہ بھی ہے کہ اس بات کا ردِ عمل ہو۔" وہ آج شعبۂ اردو چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی کے زیر اہتمام ایک مذاکرے میں بول رہے تھے۔ انجم عثمانی نے کہا کہ جب سے انسان ہے اسی وقت سے میڈیا ہے لیکن ہر دور میں اس کے ذرائع الگ الگ رہے ہیں، ریڈیو، اور ٹیلی ویژن ذرائع ابلاغ کی جدید شکلیں ہیں۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ آج ترسیل میں ماس میڈیا کا اہم رول ہے۔

انھوں نے اشتہار نویسی کے فن پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اشتہار کے لیے اختصار بے حد ضروری ہے اور چونکہ اردو اختصار کی زبان ہے اس لیے اشتہار میں اردو زبان کا استعمال سب سے زیادہ ہے۔ انھوں نے دعوے کے ساتھ کہا کہ کسی بھی اشتہار میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں وہ 95 فی صد اردو کے ہوتے ہیں۔ انھوں نے طلبہ کو نصیحت کی کہ آپ جب اشتہار نویسی کے میدان میں آئیں تو اس بات کا خیال رکھیں کہ اشتہار محض پیسہ کمانے کا ذریعہ نہ ہو بلکہ اس کا مقصد تہذیب کی ترسیل بھی ہو اور اس میدان میں پوری سچائی کے ساتھ کام کرنے کا عزم کریں اور اسی کے ساتھ ساتھ زبان پر بھی عبور حاصل کریں۔ اس موقعے پر دوردرشن کے ایس ڈی پنجابی رنبیر سارنگ نے دوردرشن سے متعلق کئی اہم نکات پر روشنی ڈالی۔ لیکچر کے بعد طلبہ نے سوالات پوچھے جن کا انجم عثمانی اور رنبیر سارنگ نے بڑے دلچسپ انداز میں تسلی بخش جواب دیا۔ پروگرام کے آغاز میں ڈاکٹر اسلم جمشید پوری، صدر شعبۂ اردو نے تعارفی کلمات ادا کیے۔ ڈاکٹر نوین چندر لوہنی صدر شعبۂ ہندی کے شکریے پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ (راشٹریہ سہارا دہلی)

"اردو اور مراٹھی کا ادبی رشتہ" کے موضوع پر سمینار

● ہفتہ، 21/ستمبر کی سہ پہر اسمٰعیل یوسف کالج، جوگیشوری کے سابق طلبہ فورم کی جانب سے 'اردو اور مراٹھی کا ادبی رشتہ' کے موضوع پر ایک سمینار کا انعقاد کالج کے ہال میں کیا گیا۔ سمینار کے آغاز میں ماہر لسانیات مرحوم عصمت جاوید اور اکبر رحمانی مرحوم کی ادبی خدمات پر ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے روشنی ڈالی۔ نرائن سروے نے مراٹھی شاعر وسنت باپٹ، ناول نگار شیواجی ساونت، اور مراٹھی ادیبہ و اداکارہ پریہ تندلکر سے وابستہ اپنی یادوں کا ذکر کرتے ہوئے انھیں خراج عقیدت پیش کیا۔ دو منٹ خاموش کھڑے رہ کر مرحومین کو شردھانجلی پیش کی گئی۔

سمینار کا آغاز پرنسپل محترمہ وِمل انداپورے کے استقبالیہ کلمات سے ہوا۔ فورم کے صدر پروفیسر عبدالستار دلوی نے ترجمے کی اہمیت اور پروگرام کی غرض وغایت پر روشنی ڈالی، ساتھ ہی فورم کی سابقہ کارکردگی کی رپورٹ پیش کی۔ وقار قادری کے مقالے 'آدان پردان کی اہمیت اور مراٹھی تراجم' سے سمینار کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد یعقوب راہی نے اپنا مضمون 'مراٹھی شاعری کے اردو تراجم' اور ڈاکٹر رام پنڈت نے اپنا مقالہ "اردو زبان کے مراٹھی تراجم" پیش کیا۔ سمینار کی صدارت نامور مراٹھی شاعر نرائن سروے نے کی، اور اپنے صدارتی خطبے میں زبانوں کے آدان پردان کی افادیت اور سیکولر قدروں کو بڑھاوا دینے کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا۔ انھوں نے اپنی کئی نظمیں سناکر سامعین کو محظوظ کیا۔

کالج کے سابق طالب علم و حالیہ صدر شعبۂ عربی پروفیسر علیم مختارے نے پروگرام کی نظامت کی۔ کالج کے سابق طالب علم و سابق صدر شعبۂ فارسی پروفیسر احمد انصاری کے شکریے پر اس سمینار کا اختتام ہوا۔ (ڈاک سے)

حلقۂ ادب بہار کے جلسے میں اردو اور ہندی افسانوں کی پیشکش

● پٹنہ، 19/اگست 2002۔ کل مقامی اردو بھون میں حلقۂ ادب بہار کی جانب سے ایک ادبی تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ یہ تقریب اردو اور ہندی

زبانوں کے افسانوی ادب کے لیے وقف تھی اور اس میں اردو اور ہندی دونوں زبانوں کے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور دانشوروں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ جناب فخر الدین عارفی نے جلسے کی نظامت انجام دی۔ عارفی صاحب نے سب سے پہلے مختصر اردو افسانوں کی تاریخ پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اردو افسانوں کی تاریخ میں بہار کے افسانہ نگاروں کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

جلسے کی صدارت حلقہ ادب بہار کے صدر ڈاکٹر عبدالمغنی نے کی۔ اس موقعے پر سب سے پہلے ڈاکٹر عبدالصمد نے اپنا افسانہ پڑھا۔ افسانے کا عنوان "وسیلہ" تھا۔ اس کے بعد ہندی کے مشہور افسانہ نگار اور رسالہ "سمھو" کے مدیر جناب سجاش شرما نے اپنا افسانہ "بے زبان" کے عنوان سے پیش کیا اور آخر میں جناب شفیع جاوید نے اپنا افسانہ پڑھا، جس کا عنوان تھا "اب یہاں کوئی نہیں۔" بعد میں تینوں افسانوں پر گفتگو ہوئی۔ گفتگو میں حصہ لینے والوں میں ڈاکٹر اعجاز علی ارشد، شمیم فاروقی، ڈاکٹر ارمان نجمی، جناب مشتاق احمد نوری، پروفیسر جواہر پانڈے، جناب فخر الدین عارفی اور جناب خورشید اکبر وغیرہ شامل تھے۔ صدر جلسہ ڈاکٹر عبدالمغنی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ افسانہ خواہ اردو کا ہو یا ہندی کا، افسانے کو بنیادی طور پر افسانہ ہونا چاہیے، اس میں قصہ اور ماجرا ہونا چاہیے، افسانے کو فلسفہ نہیں ہونا چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ موپاساں کو وہ عالمی سطح پر سب سے بڑا افسانہ نگار تسلیم کرتے ہیں جب کہ سعادت حسن منٹو کو انھوں نے اردو زبان کا سب سے بڑا افسانہ نگار قرار دیا۔ جناب فخر الدین عارفی نے آخر میں تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور جلسے کے اختتام کا اعلان کیا۔ (ہماری زبان، دہلی)

ریاستی انجمن ترقی اردو بہار کا انتخاب

● پٹنہ، 27 ستمبر۔ بہار میں اردو آج جن حالات سے دوچار ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان حالات میں اردو تحریک پر طاری جمود کو توڑنے کے لیے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی ایک فعال اور سرگرم کمیٹی کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ان خیالات کا اظہار آج وزیر زراعت الحاج غلام سرور کی سرکاری رہائش گاہ پر منعقدہ ایک میٹنگ میں شرکا نشست نے کیا۔ اس روشنی میں پروفیسر ڈاکٹر شرف عالم کو اتفاق رائے سے انجمن کا صدر اور جناب عبدالمعید کو جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا اور ان دونوں کو اختیار دیا گیا کہ وہ اس کی ایک باضابطہ مجلس عاملہ تشکیل دیں۔ میٹنگ کی صدارت انجمن کے صدر جناب سید محمد ضیاء الدین نے کی۔

جناب غلام سرور نے کہا کہ اردو تحریک کو نئے خون اور نئے حوصلے کی ضرورت ہے۔ اس لیے اب انجمن کی ذمے داری نئی نسل اور نوجوانوں کے شانوں پر ڈالی جانی چاہیے۔ نشست کا آغاز کرتے ہوئے جناب سید ضیاء الدین نے انجمن کی اب تک کی کارگزاریوں کا ذکر کیا اور انجمن ترقی اردو کو فعال بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔

میٹنگ میں ناصر زیدی، معصوم شرفی اسیر، مطیع الرحمن شمیم، غلام محسن جعفری، ڈاکٹر ریحان غنی، معین کوثر، مشتاق احمد نوری، سید شاہ نور الدین، سید وجیہ الدین احمد، حسن احمد قادری، نصر الہدیٰ، خان ایڈوکیٹ، محبوب عالم، فاروق اعظم، مختار احمد نے اردو تحریک کو فعال بنانے کے لیے مفید مشوروں سے نوازا۔ (قومی تنظیم، پٹنہ)

مدارس کے نصاب میں خطاطی کی شمولیت

● حیدرآباد، 5 ستمبر۔ حکومت آندھرا پردیش نے خطاطی (کیلی گرافی) کو تمام مدارس کے نصاب میں ایک لازمی مضمون کے طور پر شامل کرنے کا فیصلہ کیا ہے کیوں کہ خطاطی صرف ایک پیشہ ہی نہیں بلکہ حروف کی خوبصورتی کا بھی ایک ذریعہ ہے اور ہماری زبان کی ترقی و ترویج پر اثرانداز بھی۔ صدر اردو اکادمی جناب سید شاہ نورالحق قادری نے وزیر تعلیم مسٹر ایم وینکٹیشور راؤ کو مبارک باد دیتے ہوئے خطاطی کو جلد از جلد نصاب کا حصہ بنا کر اسے رائج کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے ایس سی ای آر ٹی کی جانب سے ریاست میں خطاطی کو ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے شامل نصاب کرنے کے سوال پر حال ہی میں ماہرین کے ایک اجلاس کی طلبی کا بھی خیر مقدم کیا جس میں دو دن کے تفصیلی مباحث اور اس مضمون کے تمام تر پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد متفقہ طور پر یہ طے کیا گیا کہ کیلی گرافی کو شامل نصاب کرنے میں بے شمار فائدے ہیں۔ اسی لیے اس کی فوری شمولیت کو یقینی بنایا جائے۔ اجلاس میں اردو اکادمی کے حسن فرخ، محمود سلیم اور محمد اسمٰعیل حسن، محمد مسعود احمد، جناب ایم شوکت بیگ، محترمہ رضیہ سلطانہ، سید اشفاق الحسن ہاشمی، محمد معز الدین، خواجہ عظیم الدین اور محترمہ اقبال جہاں نے شرکت کی۔ اجلاس میں یہ بھی طے کیا گیا کہ جہاں خطاطی کو آٹھویں، نویں اور دسویں جماعتوں میں شامل نصاب کیا جارہا ہے اس کا (100) نشانات کا تینوں کلاسس کے فائنل میں پرچہ بھی رکھا جائے اور اسے مجموعی نشانات میں شامل کیا جائے۔ اس کے علاوہ ماہانہ سہ ماہی اور ششماہی امتحانات میں بھی خطاطی کو شامل رکھا جائے۔ یہ طے کیا گیا کہ نصاب آٹھویں اور نویں جماعت ہی میں مکمل کر لیا جائے اور دسویں میں صرف مہارت فراہم کی جائے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ اس کے مالیاتی مصارف حکومت برداشت کرے جس میں

انسٹرکٹرس کی جائیدادیں منظور کرے۔ ان جائیدادوں پر ادارہ ادبیات اردو یا قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان سے کامیاب ماہرین ہی کا تقرر کیا جائے۔ اس طرح ریاستِ آندھرا پردیش ملک کی واحد ریاست ہو جائے گی جہاں خطاطی کو ایک نصاب کے طور پر پڑھایا جائے گا۔ (منصف، حیدر آباد)

اردو داں طبقے کو ریاستی زبانیں سیکھنے کا مشورہ

● ممتاز عوامی رہنما الحاج اقبال احمد سرڈگی (ایم، پی گلبرگہ) نے کہا کہ اردو داں طبقے کو علاقائی زبانیں سیکھنے پر توجہ دینی چاہیے تاکہ سرکاری ملازمت کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ 8ر ستمبر کی صبح خواجہ بندہ نوازؒ ایوانِ اردو میں انجمن ترقی اردو، گلبرگہ کے سالانہ ترجمان "انجمن" اور کنڑ گرامر و اصطلاحات سے متعلق کتاب "کنڑ اُردو بودھے" کی تقریب رسم اجرا سے خطاب کرتے ہوئے جناب اقبال احمد سرڈگی نے کہا کہ وسائل کی کمی کے باوجود انجمن اس علاقے میں اردو کے لیے ماحول کو سازگار بنانے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ مادری زبان کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن دوسری مقامی زبانیں سیکھنے کی بھی ضرورت اور اہمیت ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان کے کنڑ زبان پر زبردست اثرات ہیں۔ کنڑ زبان میں متعدد سرکاری اصطلاحات اردو ہی سے لی گئی ہیں۔ اقبال احمد سرڈگی نے مولوی محمد جلال الدین کو "کنڑ اردو بودھے" کی تالیف پر مبارک باد پیش کی۔ انھوں نے گورنمنٹ ملٹی پرپز ہائی اسکول سے اردو میڈیم کی برخواستگی اور حیدر آباد کرناٹک ایجوکیشن سوسائٹی کے تعلیمی اداروں میں اردو تعلیم کے خاتمے پر انجمن کے جذبات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سلسلے میں ضروری نمائندگی کی جائے گی۔ اس مقصد کے لیے اساتذہ، اولیاء طلبہ اور سماجی کارکن انجمن کے ساتھ تعاون کریں۔

جناب محمد عبدالعظیم (صدر انجمن) کے زیرِ صدارت منعقدہ اس تقریب میں جناب اسلم فرشوری (سینئر پروڈیوسر ای ٹی وی، اردو) نے سالانہ ترجمان "انجمن" کی رسمِ اجرا انجام دیتے ہوئے انجمن کے مدیر مسٹر حامد اکمل اور کنڑ اردو گرامر کے مصنف مولوی محمد جلال الدین کو مبارکباد پیش کی۔ جناب اسلم فرشوری نے کہا کہ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے محترم راموجی راؤ نے اردو کے فروغ کا جو بیڑا اٹھایا ہے اس کی تکمیل کے لیے سارے اردو داں عوام کے تعاون، تجاویز اور مشوروں کی ضرورت ہے۔ اردو چینل ایک طرح سے اردو تہذیب کا نشاۃ ثانیہ ہے جس کے ذریعے ہم نئی نسل تک یہ تہذیب پہنچانا چاہتے ہیں۔

اس موقعے پر جناب وہاب عندلیب (صدر، کرناٹک اردو اکادمی) ڈاکٹر شمیم ثریا (پرنسپل، بی بی رضا ڈگری کالج)، جناب عبدالرب (استاد شعبۂ اردو، گلبرگہ یونی ورسٹی، گلبرگہ) اور مسٹر چنا وا ایکار (شعبۂ کنڑ، گلبرگہ یونی ورسٹی گلبرگہ) نے بھی حاضرین سے خطاب کیا۔ مسٹر خواجہ پاشا انعامدار شریک معتمد، نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ خوش گلو فنکار جناب طیب یعقوبی (ڈسٹرکٹ آفیسر بی سی ایم و سوشل ویلفیر گلبرگہ) نے ترانۂ خطیب پیش کیا۔ جناب ولی احمد (خازن) نے شکریہ ادا کیا۔ (ڈاک سے)

اردو کا نیا ویب سائٹ

● نئی دہلی، 8ر اکتوبر۔ وزیر اعظم اٹل بہاری واجپئی کی ایک نظم کے ساتھ سائبر دنیا میں قدم رکھنے والے ایک نستعلیق ویب سائٹ کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا ویب سائٹ ہے۔ اس ویب سائٹ www.aameenorg کو اس طرح وزیر اعظم سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ وزیر اعظم کی نظم کچھ اس طرح ہے 'یاد دہانی۔۔۔ ہم جنگ نہ ہونے دیں گے۔' اس ویب سائٹ کو سامنے لانے والے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے بزنس گریجویٹ 21 سالہ ایس ایم احمد کا دعویٰ ہے کہ اب تک کوئی ویب سائٹ سامنے نہیں آئی تھی جسے حقیقی معنوں میں اردو ویب سائٹ کا نام دیا جائے۔ دوسرے سبھی ویب سائٹ عربی اسٹائل کے ہیں اور ان کے یونی کوڈ کریکٹر بھی اردو کے نہیں۔ مسٹر احمد نے دعویٰ کیا ہے کہ انھوں نے جو ویب سائٹ تیار کیا ہے وہ پوری طرح دنیا کی دوسری زبانوں کے ویب سائٹ کے ہم پلہ ہے۔ اپنے دعوے کی تائید میں مسٹر احمد نے جامعہ کے کمپیوٹر سائنس کے شعبے کے صدر کی طرف سے ایک سرٹیفکیٹ پیش کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مسٹر احمد دنیا کے اولین نستعلیق اردو ویب سائٹ کے خالق ہیں۔ مسٹر احمد نے انسانی وسائل کے فروغ کی وزارت کے تحت قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، NICT کے ڈائرکٹر ایم ڈی شاد اور کلکتہ یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے ڈاکٹر مظفر حنفی سے بھی اپنے دعوے کے حق میں تائید نامے حاصل کیے ہیں۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

منظر کاظمی کی یاد میں جلسہ

● "اردو ادب میں بہت کم ایسے فنکار ہوئے ہیں جن کے افسانوں میں گہری فکر دکھائی دیتی ہے لیکن منظر کاظمی ایک ایسے فنکار تھے جن کے افسانوں میں نہ صرف گہری فکر ہوتی تھی بلکہ یہ افسانے گہرائی میں جا کر فلسفہ بن جاتے تھے۔"

اردو قبیلہ جمشید پور کے زیرِ اہتمام منعقدہ کریم سٹی کالج میں "آج کی شام منظر کاظمی کے نام" ایک یادگاری جلسے سے خطاب کرتے ہوئے پروفیسر

وہاب اشرفی نے مذکورہ بالا باتیں کہیں۔ انھوں نے کہا کہ منظر کاظمی کی کہانیاں "اناؤنسمنٹ" "آسمان سے گرتی ہوئی رونیاں" اور "لچھمن ریکھا" ایسی کہانیاں ہیں جنھیں بار بار پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اردو کے معروف افسانہ نگار ڈاکٹر عبدالصمد نے اردو قبیلے کی اس کوشش کو سراہتے ہوئے کہا کہ اردو قبیلہ ہر سال اردو زبان کے فنکاروں کو "ڈاکٹر منظر کاظمی ایوارڈ" دیتا ہے، یہ ایک قابلِ تقلید سلسلہ ہے اور قابلِ تعریف بھی۔

ڈاکٹر سبھاش چندر گپتا نے ڈاکٹر منظر کاظمی کی کہانیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کی کہانیوں کے مطالعے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ کہانی لفظوں کا کھیل نہیں بلکہ سماجی تبدیلی کا طاقتور ہتھیار ہے۔

اس یادگاری تقریب کے صدر روزنامہ "اودتیہ وانی" کے ایڈیٹر رادھے شیام اگروال نے اردو قبیلے کے ذمے داروں سے اپیل کی کہ منظر صاحب کی غیر مطبوعہ تخلیقات کو شائع کرانے کا اہتمام کریں۔

جلسے کو کریم سٹی کالج کے پرنسپل پروفیسر ایس این آئی ہاشمی اور وائس پرنسپل ڈاکٹر محمد زکریا نے بھی خطاب کیا۔ اس سال کا "ڈاکٹر منظر کاظمی ایوارڈ" پانے والے معروف کہانی کار جناب فخرالدین عارفی نے کہا کہ اردو دنیا میں منظر کاظمی صاحب کی وجہ سے ہی جمشید پور کو ہندستان گیر شہرت حاصل ہے۔

اس موقعے پر ڈاکٹر منظر کاظمی کی زندگی پر مشتمل "جھارکھنڈ میل" ویکلی کا اجرا کالج کے پرنسپل پروفیسر ہاشمی کے ہاتھوں ہوا۔ پروگرام کے کنوینر منظر کلیم نے اردو قبیلہ کے بارے میں جانکاری دی۔ نظامت کے فرائض راشد انور نے انجام دیے جبکہ افسر کاظمی نے تمام حاضرین اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ (ڈاک سے)

رسم خط کا تحفظ ضروری

● نئی دہلی، 21 ستمبر۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ میں اردو کی شہرۂ آفاق ناول نگار محترمہ قرۃ العین حیدر نے اردو اساتذہ کے لیے ایک کل ہند تربیتی پروگرام کا افتتاح کیا۔ اس موقعے پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اردو کا چلن بڑھانے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ اردو رسائل و جرائد کی اشاعت میں اضافہ کیا جائے۔ انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اردو فلمیں بنانے والے فلموں پر خرچ کی جانے والی خطیر رقموں کے ایک حصے کو اگر اردو کی اشاعت پر صرف کریں تو اردو کی بہتر خدمت کی جا سکتی ہے۔ آپ نے اصرار کیا کہ اردو کی روح اس کا رسم خط ہے، اگر اس کو محفوظ رکھا گیا تو اردو ہمیشہ زندہ رہے گی۔ آپ نے کہا کہ تخلیق کار کو اعزاز و اکرام سے بے پروا ہو کر اپنی تخلیق کو منظر عام پر لانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن ساتھ ہی اس کو ایک ایسا ماحول بھی مہیا کیا جانا چاہیے جس سے اسے کام کرنے کی ترغیب ملتی رہے۔ آپ نے جامعہ ملیہ اسلامیہ سے اپنے نصف صدی سے زائد قدیمی تعلق کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ جامعہ ملیہ کو ٹیگور کے شانتی نکیتن کی طرح مسلمانوں کا شانتی نکیتن سمجھتی ہیں جہاں قوم پرستی، رواداری اور میانہ روی کی تعلیم دی جاتی تھی اور یہ اقدار یہاں آج بھی کافی حد تک باقی ہیں۔

اکیڈمک اسٹاف کالج کے ڈائرکٹر پروفیسر اختر صدیقی نے مہمان خصوصی کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ عینی آپا کی یہاں تشریف آوری جامعہ ملیہ اسلامیہ کے لیے باعث اعزاز ہے اور ہندستان کے مختلف صوبوں سے آئے ہوئے اردو اساتذہ کو عینی آپا سے گفتگو کا ایک نادر موقع ملا ہے۔ اس موقعے پر پروگرام کے ناظم ڈاکٹر محمود خالد نے تربیتی پروگرام کی تفصیلات پیش کیں اور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ پروفیسر شمیم حنفی نے جلسے کی صدارت کی اور عینی آپا کا تفصیلی تعارف پیش کیا۔ (قومی آواز، دہلی)

اردو / ہندی وکاس گوشٹھی

● نئی دہلی، 21 ستمبر۔ یوم ہندی پروگرام کے تحت یونائیٹڈ مسلم آف انڈیا کی سرپرستی میں اردو ہندی وکاس گوشٹھی کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت ڈاکٹر لال بہادر نے کی۔ ڈاکٹر لال بہادر نے کہا کہ آج زبانیں بھی سیاسی مفاد پرستی اور تعصب کا نشانہ بن گئی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بعض لوگ سنسکرت آمیز ہندی کو مسلط کرنے میں یقین رکھتے ہیں جو بھارت کی گنگا جمنی تہذیب کے تحت کسی بھی قیمت پر منظور نہیں کی جا سکتی۔

ڈاکٹر لال بہادر نے اتر پردیش قانون ساز کونسل کی کارروائی ہندی کے ساتھ ساتھ اردو میں جاری کرنے کے لیے حکومتِ اتر پردیش پر گزشتہ 6 ستمبر 2002 کو سپریم کورٹ نئی دہلی میں مفاد عامہ میں ایک رٹ داخل کی ہے۔ اس موقعے پر مہمانانِ خصوصی ڈاکٹر پرواز کنوینر اتر پردیش اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن کے علاوہ ڈاکٹر ستیہ دیو مشرا، سالک دھامپوری، مشتاق احمد خاں اور بی ایل بھارتی وغیرہ نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ (قومی آواز، دہلی)

موتیہاری میں اردو / فارسی مرکز کا افتتاح

● موتیہاری۔ "فارسی زبان، ایک زندہ قوم کی زندہ زبان ہے۔ اسے پڑھنے والے احساسِ کمتری کا شکار نہ ہوں۔ فارسی زبان کے وسیلے سے آج بھی روزگار حاصل کرنے کے کثیر مواقع ہیں۔ بشرطیکہ اس زبان کے ساتھ انگریزی زبان پر بھی ہمیں یکساں عبور حاصل ہو۔" ان خیالات کا اظہار پروفیسر رضوان اللہ آروی نے یہاں "مرکز برائے پیش رفت زبان و ادبیات فارسی و اردو" کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ معزز مہمانوں

کا استقبال کرتے ہوئے انھوں نے فارسی زبان کی اہمیت وافادیت اور موجودہ زمانے سے اس کے تعلق پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور کہا کہ فارسی زبان پڑھنے / پڑھانے والوں کو، قدیم فارسی کے ساتھ جدید فارسی سے بھی واقفیت حاصل کرنا چاہیے۔ اہلِ زبان کی طرح، فارسی بولنے کی مشق کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے انھوں نے مرکز کے زیرِ اہتمام Spoken Persian کا ایک قلیل مدتی کورس شروع کرنے کا اعلان کیا۔ مرکزی حکومت کے تحت، فارسی زبان کے وسیلے سے، روزگار حاصل کرنے کے وسیع تر امکانات کا ذکر کرتے ہوئے، ڈاکٹر آروی نے آل انڈیا ریڈیو اور امورِ خارجہ کی وزارت کا خاص طور پر ذکر کیا جہاں فارسی کے ایسے ماہرین کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے جن کو انگریزی پر بھی مہارت حاصل ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر آروی نے خانۂ فرہنگِ ایران کا بھی ذکر کیا جہاں بہت سے ہندستانی، فارسی زبان ہی کی بدولت ملازمت کر رہے ہیں۔

فارسی زبان کے ساتھ اردو زبان کے فروغ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے ڈاکٹر آروی نے خاص طور پر — قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی گراں قدر خدمات کی ستائش کی۔ تاہم انھوں نے کہا کہ اردو زبان کے فروغ کے لیے حکومت پر انحصار کرنے کے بجائے ہمیں خود آگے آنا چاہیے — اس موقعے پر خطاب کرتے ہوئے شہر کے معروف سرجن ڈاکٹر تبریز عزیز نے مرکز کو ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ مرکز کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے جن لوگوں نے اس موقعے پر اپنے مفید مشوروں سے نوازا، ان میں پروفیسر نسیم احمد، پروفیسر فیروز، پروفیسر کلیم محمد جان، پروفیسر اقبال احمد، پروفیسر رافعہ سلطانہ، پروفیسر انوار الحق اور مولانا علاء الدین وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام لوگوں کا مشترکہ خیال تھا کہ اردو ہماری تہذیب کا سرمایہ ہے اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے بے لوث جذبے کے تحت کام کرنے کی ضرورت ہے۔ آخر میں افتتاحی اجلاس کے صدر جناب سید احمد نے اپنے صدارتی خطبے میں اردو / فارسی سے وابستہ افراد سے خاص طور پر اپیل کی کہ وہ اردو فارسی کی اس تحریک میں عملی تعاون پیش کریں اور کردار کے غازی بن کر دکھائیں۔ پروفیسر عرش الجبید صاحب نے ربن کاٹ کر مرکز کا رسمی افتتاح کیا۔ (ڈاک سے)

کڈپہ میں ضلعی تعلیمی آفس کا افتتاح اور "بیسٹ ٹیچر ایوارڈ" کی تقریب

● کڈپہ (اے پی) میں 5 ستمبر 2002 کو صبح 8 بجے ضلعی تعلیمی دفتر DEO کا افتتاح اور تہنیتی تقریب عمل میں آئی۔ مہمانِ خصوصی جناب کے چندرا مولی ضلع کلکٹر کے ہاتھوں ضلعی تعلیمی دفتر و عمارت کا افتتاح عمل میں آیا۔

جلسے کی صدارت جناب پی بلا ریڈی DEO نے کی اور اپنی تقریر میں کہا کہ سارے آندھرا پردیش میں یہ ایک تاریخی کام ہے۔ اس طرح کا بنیادی کام آج تک کسی نے نہ کیا۔ اس بنیادی کام کی انجام دہی کے لیے ضلع کڈپہ کے اساتذہ قابلِ مبارکباد ہیں۔ جنھوں نے اپنے خرچے سے اس عمارت کو تعمیر کروایا ہے۔ خصوصاً اس تعمیری کمیٹی کے سکریٹری جناب جی لکشمیا نے دن رات ایک کر کے اس کام کو مکمل کیا ہے۔

اس کے بعد جناب لکشمیا کی شال پوشی و گلپوشی کی گئی۔

اسی روز ضلعی سطح پر بہترین کارکردگی و بہترین تدریس پر 38 اساتذہ کو بمقام کلا چھترم بوقت 6 بجے "بیسٹ ٹیچرس ایوارڈ" دیے گئے۔ اس جلسے کی صدارت جناب پی۔ بلا ریڈی DEO نے کی اور مومینٹو خصوصی مہمان جناب کے چندرا مولی IAS ضلع کلکٹر کے ہاتھوں پیش کیے گئے۔

اُردو اساتذہ میں ان اساتذہ کو بیسٹ ٹیچر ایوارڈ سے نوازا گیا:

عبداللطیف، میر مدرس میونسپل اردو ہائی اسکول کوتاکوٹال، پرودوٹور، ایس رحمٰن خاں، ایم پی ایلمنٹری اسکول قادر بنگلہ، سدھوٹ، شیخ حفیظ، میر مدرس ایم پی ایلیمنٹری اسکول رایاچوٹی، شیخ کریم اللہ ایم پی ایل بائس ایلمنٹری اسکول کڈپہ، ایم دستگیر خان ایم پی یو پی اُردو اسکول کوتاپیٹا، رایاچوٹی، ایم رحمت بی ایم پی یو پی اُردو اسکول، محبوب نگر، رایاچوٹی، ایس عبدالجبار، میر مدرس ایم پی ایلمنٹری اردو اسکول، رایاچوٹی، ای محمد غوث، اردو مدرس، ایم پی ایلیمنٹری اردو اسکول، رامپلی، چنور منڈل، کڈپہ۔ (ڈاک سے)

دہلی اسٹیٹ اردو پبلشرز ایسوسی ایشن کا چناؤ

● نئی دہلی، 20 ستمبر۔ دہلی اسٹیٹ اردو پبلشرز ایسوسی ایشن کی ایک پریس ریلیز کے مطابق ایسوسی ایشن کے تین سالہ الیکشن میں محمد انس (ادارہ اشاعتِ دینیات) کو بلا مقابلہ صدر منتخب کیا گیا۔ جنھوں نے ناصر خاں (فرید بک ڈپو) کو نائب صدر مقرر کیا ہے۔ علاوہ ازیں جمیل انجم (انجم بک ڈپو) جنرل سکریٹری آصف فہمی (دین دنیا پبلشنگ کمپنی) سکریٹری غلام ربانی (مکتبہ جامِ نور) محمد فرقان (نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی) پروپیگنڈہ سکریٹری فیصل فہیم (فیصل پبلی کیشنز) جوائنٹ سکریٹری ارشد فاخر صدیقی (اعتقاد پبلشنگ ہاؤس) ارشد پرویز (ناز پبلشنگ ہاؤس) جمشید علی صدیقی (نازیہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز) خزانچی، منظور عالم (منظور بک ڈپو) چنے گئے۔ ممبران میں احمد جمال خاں (ارشاد پبلی کیشنز) معین الدین اشرفی (فاروقیہ بک ڈپو) قمر الدین (رضوی کتاب گھر) احسان الحق (کتب خانہ رشیدیہ) ایس ایم ظفر

(عاکف بک ڈپو) عبدالمالک فہیم (مکتبہ الحسنات) عبدالسلام (کتب خانہ عزیزیہ) شامل ہیں۔ (قومی آواز، دہلی)

شعر و افسانے کی محفلیں

● مدھیہ پردیش اردو اکادمی کی طرف سے "یوم آزادی تقریبات" کے سلسلے میں اجین میں ایک کل ہند مشاعرے کا اہتمام کیا گیا۔ یہ مشاعرہ جسٹس غیور قریشی، چیئرمین مدھیہ پردیش وقف بورڈ، مہمانِ خصوصی ڈاکٹر رام گوپال گپتا، وائس چانسلر وکرم یونی ورسٹی اجین اور عزیز قریشی صاحب، چیئرمین مدھیہ پردیش اردو اکادمی کی موجودگی میں صبح چار بجے چلتا رہا۔ اس موقعے پر عزیز قریشی صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے ادیبوں اور شاعروں نے جنگِ آزادی میں غیر معمولی کردار ادا کیا ہے انھوں نے قلم سے تلوار کا کام لیا اور زبان سے آگ کا۔ ان کی تحریروں سے انگریزی حکومت کانپ گئی۔ انقلاب زندہ باد جیسے نعرے دیے۔ آج پھر ملک پر ایک ایسا وقت آگیا ہے کہ اردو کے شاعروں اور ادیبوں کو ملک کی سلامتی، جمہوریت اور سیکولرازم کے لیے اپنا قلم اُٹھانا ہے۔

اجین کے دو سو سالہ قدیم مادھو کالج کا شتابدی ہال اور اس کا کیمپس ہزاروں افراد سے بھرا ہوا تھا۔ پروگرام کی ابتدا میں مجلسِ استقبالیہ کے صدر ڈاکٹر عبدالحمید قریشی، کنوینر پروفیسر آفاق حسین صدیقی اور دیگر ممبران نے مہمانوں کی گلپوشی کی۔ مشاعرے کا آغاز ڈاکٹر رام گوپال گپتا نے چراغ روشن کر کے کیا۔ پروگرام کی نظامت مادھو کالج کے صدر شعبۂ اردو پروفیسر آفاق حسین صدیقی نے کی جبکہ مشاعرے کی نظامت ملک زادہ منظور احمد نے بحسن و خوبی ادا کی۔ مشاعرے میں جن شعرا نے اپنا کلام سنایا ان کے اسمائے گرامی ہیں: ملک زادہ منظور احمد، ڈاکٹر بشیر بدر، ڈاکٹر مظفر حنفی، ڈاکٹر ساغر اعظمی، رفعت الحسینی، عشرت قادری، ڈاکٹر راحت اندوری، ڈاکٹر عزیز اندوری، انور ندیم، منظر بھوپالی، دانش علیگڑھی، حسن فتح پوری، اعجاز انجم، انجم بارہ بنکوی، جاوید عرشی، دنیش دربن، یونس فرحت، ہما کانپوری، محترمہ پروین کیف، ممتاز صدیقی، نمرتا شریواستو، تسنیم نسرین، ڈاکٹر انیتا سونی، شریف تبسم۔ اس کے علاوہ مقامی شعرا حضرات کاشف الہاشمی، محمود زکی، محمود احمد سحر، اختر گوالیاری، احمد کمال پروازی، رشید امکان، شکیب نیازی، جاوید قریشی، ڈاکٹر ضیاء، آرزو اجینی، عبدالحمید گوہر، احمد رئیس نظامی، سراج احمد سراج اور حسن احمد شان نے بھی اپنا کلام سنایا۔ (ڈاک سے)

● نئی دہلی، 8 ستمبر (سہارا خبر) گذشتہ شب اردو اکادمی دہلی کی جانب سے یوم اساتذہ کے موقعے پر درس و تدریس سے وابستہ شعراء کے مشاعرے کا انعقاد غالب اکادمی آڈیٹوریم میں کیا گیا۔ پروگرام کا افتتاح دہلی حکومت کے وزیرِ تعلیم مسٹر راج کمار چوہان نے کیا۔ مشاعرے کی صدارت پروفیسر محمد حسن نے کی اور نظامت کے فرائض ضمیر حسن دہلوی نے بخوبی انجام دیے۔ اس موقعے پر معزز مہمان کے طور پر پروفیسر اشتیاق عابدی اور سید اوصاف علی موجود تھے۔ مشاعرے میں شریک شعراء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ، جمشید علی شوق، افضل کرتپوری، عزیز بگھروی، پروفیسر شمیم حنفی، ڈاکٹر اسلم پرویز، ڈاکٹر خالد محمود اور ڈاکٹر امیر عارفی۔

ان کے علاوہ پروفیسر مظفر حنفی، پروفیسر صادق، پروفیسر زبیر فاروقی، سہیل احمد فاروقی، ڈاکٹر جی آر کنول، ڈاکٹر فریاد آزر، ڈاکٹر احمد محفوظ، ڈاکٹر شکیل جہانگیری، محترمہ شبانہ نذیر، ڈاکٹر مولا بخش اسیر، خسرو متین، یوسف پاپا امیر سنبھلی، ریاضت علی شائق، محترمہ سطوت زہرا، رؤف الرحمان، محترمہ شہناز زماں شبنم، وقار احمد ولی، عارف عثمانی، حلیمہ مدیر وغیرہ نے بھی اپنے کلام سے سامعین کو نوازا۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

● نئی دہلی، 29 ستمبر۔ جامعہ اکیڈمک اسٹاف کالج میں اردو اساتذہ کے تربیتی کورس کے دوران آج یہاں آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہوا۔ مشاعرے کی صدارت فرحت احساس نے اور نظامت کے فرائض فاروق بخشی نے انجام دیے۔

اکیڈمک اسٹاف کالج کے ڈائرکٹر پروفیسر اختر صدیقی نے مہمان شعرا کا شکریہ ادا کیا۔ مشاعرے میں پروفیسر ضیاء الحسن ندوی، پروفیسر اختر الواسع، احمد محفوظ اور ڈاکٹر خالد محمود شریک ہوئے۔

اس میں فرحت احساس، ڈاکٹر فاروق بخشی، ڈاکٹر ناشر نقوی، ڈاکٹر فرید پربتی اور ڈاکٹر مظفر اعجاز نے اپنے کلام سے نوازا۔

ان کے علاوہ عباس رضا منیر، احمد حسن دانش، محمد رفیع، ایم آئی ساجد اور شکیل شاہجہاں کے اشعار بھی پسند کیے گئے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

● نئی دہلی، یکم اکتوبر۔ "گہوارۂ فدا" کے زیرِ اہتمام مرغوب حیدر عابدی، سکریٹری اردو اکادمی، دہلی کے اعزاز میں ایک شعری نشست منعقد ہوئی جس کی صدارت کفیل آزر نے کی۔ مہمانِ خصوصی کے طور پر عظیم اختر نے شرکت کی۔ شعرا کے اسمائے گرامی ہیں: راغب بلگرامی، اعجاز علی نوق، شرر اکملی، صالحین فہمی، منیر ہمدم، شہباز ندیم ضیائی، ع۔ حامد، شمس رمزی، شاد فدائی، قیس رامپوری، سلیم شیرازی، کفیل آزر اور صاحبِ اعزاز مرغوب حیدر عابدی۔ (ڈاک سے)

●8 ستمبر 2002 کو جناب تمنا مظفر پوری کی رہائش گاہ پر سمن زار ادب اور جن شبد کے مشترکہ اہتمام میں اردو اور ہندی کے ادیبوں اور

شاعروں کی ایک نشست جناب ڈاکٹر عبیدالرحمان، ریجنل ڈائرکٹر مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی، ریجن پٹنہ کی صدارت میں ہوئی۔ نظامت جناب آصف سلیم نے انجام دی۔ جناب مشتاق احمد نوری اور جناب شوکت حیات نے اپنا اپنا افسانہ "لمبے قد کا بونا" اور "سانپوں سے نہ ڈرنے والا بچہ" بالترتیب پڑھا۔ جناب عطا عابدی، منیر سیفی، تمنا مظفر پوری، انور ایرج، آصف سلیم، زبیر احمد بھاگلپوری نے ان افسانوں پر اپنی رائے پیش کی۔ اس کے بعد اس شعری دور کی شروعات جناب زبیر احمد بھاگلپوری کی نعت شریف سے ہوئی۔ بعد ازاں منیر سیفی، انور ایرج، ممتاز مظفر پوری، عطا عابدی، شہنشاہ عالم، پریہ درشی، مشتاق احمد نوری اور آصف سلیم نے اپنا اپنا کلام سنا کر داد حاصل کی۔

صدر محفل ڈاکٹر عبیدالرحمن نے افسانوی اور شعری دور کا محاسبہ کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور سمن زار ادب اور جن شبد کو ایسی کامیاب محفل کے انعقاد کے لیے مبارکباد پیش کی۔

● نئی دہلی، 19 ر ستمبر۔ اردو کے معروف افسانہ نگار اور شعبۂ اردو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے استاد ڈاکٹر طارق چھتاری کے اعزاز میں شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی میں محفلِ افسانہ کا انعقاد کیا گیا، جس کی صدارت پروفیسر صادق، صدر شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی اور نظامت ڈاکٹر ابن کنول نے کی۔ پروفیسر عبدالحق نے طارق چھتاری کا استقبال کرتے ہوئے ان کے افسانوں کے خصائص بیان کرتے ہوئے کہا کہ پریم چند کی وہ روایت جس میں گاؤں کی زندگی، واقعات اور مشاہدات کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، بدلی ہوئی شکل میں طارق چھتاری کے افسانوں میں موجود ہے۔

طارق چھتاری نے خوبصورت علامتی افسانہ "کھوکھلا پہیہ" پیش کیا۔ جس میں زندگی اور زمانہ کے بدلتے تیور نیز قدروں کی پامالی کا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ ڈاکٹر ابن کنول نے اپنا افسانہ بعنوان "خانہ بدوش" پیش کیا۔ جس میں گجرات کے فسادات کی عکاسی کی گئی تھی۔ ان دونوں افسانوں پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر صادق نے کہا کہ ڈاکٹر چھتاری اور ڈاکٹر ابن کنول کا تعلق آٹھویں دہائی کے اردو افسانہ نگاروں کی نسل سے ہے۔ قبل ازیں ڈاکٹر ابن کنول نے طارق چھتاری کے فکر و فن پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ان کے افسانے ہماری زندگی کی پیچیدگیوں اور معاشرے میں پھیلی ہوئی آلائشوں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ اظہار تشکر کی رسم ڈاکٹر علی جاوید نے ادا کی۔ اس محفلِ افسانہ میں ڈاکٹر فرحت فاطمہ، ڈاکٹر ارتضیٰ کریم، ثروت عثمانی، ڈاکٹر شاہینہ تبسم، ڈاکٹر ارشاد نیازی، ڈاکٹر ندیم احمد، ڈاکٹر امتیاز احمد کے علاوہ بڑی تعداد میں ریسرچ اسکالرز طلبہ و طالبات موجود تھے۔ (قومی آواز، دہلی)

● نئی دہلی، 30 ر ستمبر۔ اکیڈمک اسٹاف کالج، جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ایک دلچسپ پروگرام 'شامِ افسانہ' کا انعقاد کیا گیا، جس کی صدارت انجم عثمانی نے کی۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر صغریٰ مہدی شریک ہوئیں۔ پروفیسر صغریٰ مہدی، انجم عثمانی، اقبال مہدی، نگار عظیم، خالد جاوید، ابن کنول، اسلم جمشید پوری، محمد رفیع، شکیل شاہجہاں، ایم آئی ساجد، اطہر حیات، احمد حسن دانش اور منظورالحق نے اپنے اپنے افسانے پیش کیے۔ اس موقعے پر عبداللہ ولی بخش قادری، عذرا مجیب، شعیب عبداللہ، عظیم صدیقی، کوثر مظہری، نغمہ اور زہرہ وغیرہ موجود تھے۔ ڈاکٹر خالد محمود نے شرکائے محفل کا خیر مقدم کیا۔ اکیڈمک اسٹاف کالج کے ڈائرکٹر پروفیسر اختر صدیقی نے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور فاروقی بخشی نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

اعزاز و اکرام

پروفیسر جگن ناتھ آزاد کو اقبال سمان ایوارڈ

● بھوپال، 4 ر اکتوبر۔ ڈائرکٹوریٹ آف کلچر (حکومتِ مدھیہ پردیش) کے اعلان کے مطابق حکومتِ مدھیہ پردیش نے اپنی مقرر کی ہوئی جیوری کے اس فیصلے کو منظور کر لیا ہے کہ اس سال اقبال سمان کا باوقار ایوارڈ پروفیسر جگن ناتھ آزاد کو دیا جائے۔ چنانچہ ایک لاکھ روپے کا یہ ایوارڈ پروفیسر جگن ناتھ آزاد کو مہاتما گاندھی کے جنم دن پر یعنی 2 ر اکتوبر 2002 کو بھوپال میں دیا گیا۔ مدھیہ پردیش اردو اکادمی نے بھی، جس نے چند برس قبل ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد کو اپنا سب سے بڑا ایوارڈ دیا تھا، اس موقعے پر اپنے طور پر جگن ناتھ آزاد کو استقبالیہ دیا۔ (قومی آواز، دہلی)

پہلا کیفی اعظمی ایوارڈ

● دبئی، 8 ر ستمبر (یو این آئی) ہندستانی شاعر کیفی اعظمی کی یاد میں شروع کیا گیا پہلا کیفی اعظمی انٹرنیشنل ایوارڈ پاکستانی شاعر احمد فراز کو دیا گیا ہے۔ یہ ایوارڈ ان کو گذشتہ روز "دبئی میگا مشاعرہ" کے موقعے پر دیا گیا۔ کیفی اعظمی کی صاحبزادی شبانہ اعظمی جو ممتاز فلم ایکٹریس ہیں اور ہندستانی پارلیمنٹ کی ممبر ہیں، نے کہا کہ فراز کا انتخاب اس انعام کے لیے اس لیے کیا گیا کہ دونوں شاعروں میں امن اور محبت کی اقدار مشترک ہیں۔ شبانہ نے کہا "ہمیں یقین ہے کہ فراز اپنی شاعری کے ذریعے بہتر مستقبل کی امید کے کیفی صاحب کے پیغام کو پھیلاتے رہیں گے۔" ہندستان میں احمد فراز، مہدی حسن کی گائی ہوئی اپنی غزل "رنجش ہی سہی۔۔۔" کے لیے مشہور ہیں۔ یہ انعام اشاک ایڈورٹائزنگ اور مارکیٹنگ کی جانب سے کیفی اعظمی کی یاد میں

شروع کیا گیا ہے۔ (قومی آواز، دہلی)

شمس بدایونی کو "بھارت ایکسی لینس" انعام

● دہلی، 30ر ستمبر۔ ڈاکٹر شمس بدایونی کو ان کی ادبی خدمات کے لیے بھارت ایکسیلنس ایوارڈ سے دہلی میں منعقدہ ایک کانفرنس میں نوازا گیا۔ جس کے تحت انھیں ایک گولڈ میڈل، سلور ٹرافی اور ایک سندِ توصیف دی گئی۔ یہ ایوارڈ فرینڈ شپ فورم آف انڈیا کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ اس سے قبل یہ انعام جسٹس پی این بھگوتی، جسٹس فاطمہ بی بی، خورشید عالم خاں، استاد امجد علی خاں، سنیل گاوسکر، فلم اسٹار سنیل دت، پران، راجکمار وغیرہ کو دیا جاچکا ہے۔ (قومی آواز، دہلی)

فخر الدین عارفی کو منظر کاظمی ایوارڈ

● اردو قبیلہ جمشید پور نے اس سال کا ڈاکٹر منظر کاظمی ایوارڈ، اردو کے معروف افسانہ نگار فخر الدین عارفی کو دیا ہے۔ جناب عارفی کو یہ ایوارڈ جمشید پور میں اردو قبیلہ کے زیرِ اہتمام منعقدہ ڈاکٹر منظر کاظمی یادگاری جلسے کے دوران ڈاکٹر وہاب اشرفی کے ہاتھوں دیا گیا۔ ساہتیہ اکادمی دہلی اور بہار اردو اکادمی سے انعام یافتہ فخر الدین عارفی کو یہ ایوارڈ اردو ادب میں اُن کی خدمات کے لیے دیا گیا ہے۔ جناب فخر الدین عارفی پٹنہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ "مریخ" کے ایڈیٹر، انجمن ترقی اردو، بہار کے سکریٹری اور حلقہ ادب، بہار کے جنرل سکریٹری ہیں۔ (ڈاک سے)

"سائنس کی دنیا" کے مدیر کو اعزاز

● نئی دہلی، 19ر ستمبر۔ ڈاکٹر ذاکر حسین میموریل سینئر سیکنڈری اسکول، جعفر آباد میں طالب علموں کے ایک بڑے اجتماع میں ایک اعزازی علمی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ تقریب کی صدارت، اسکول کے صدر احمد حسن صاحب نے کی۔ اسکول کے پرنسپل محمد معروف خاں نے رسالہ "سائنس کی دنیا" کے ایڈیٹر محمد خلیل کی سائنسی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ وہ پچھلی دو دہائی سے زائد عرصے سے ملکی سطح پر اردو میڈیم اسکولوں میں سائنسی ادب کو پھیلانے میں مصروف رہے ہیں۔ خاص طور پر دہلی کا شاید ہی کوئی ایسا اردو میڈیم اسکول ہو جہاں موصوف گذشتہ برسوں میں سائنس کو متعارف کرانے کے لیے نہ پہنچے ہوں۔ اس سے انکار نہیں کہ طالب علم جو علمی نصاب اپنی مادری زبان میں پڑھتا ہے اسے وہ بنیادی طور پر اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ (قومی آواز، دہلی)

تقریباتِ رسمِ اجرا

تاثرات

● پٹنہ، ڈاکٹر نسیم اختر کی تصنیف 'تاثرات' کی رسمِ اجرا ادارہ 'سلسلہ خانقاہ منعمیہ قمریہ'، کے زیرِ اہتمام جناب غلام سرور، وزیرِ زراعت، بہار کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اس موقعے پر تقریر کرتے ہوئے معروف ناقد ڈاکٹر وہاب اشرفی نے کہا کہ 'تاثرات' ایک اچھی تحقیقی و تنقیدی اور باوزن کتاب ہے۔ اس کا لہجہ پُرسکون اور غیر احتجاجی ہے، غلام سرور نے کہا کہ میر تقی میر اور کلیم عاجز سے متعلق نسیم اختر کا مقالہ جرأت مندانہ ہے۔ اس میں جہاں میر کی بعض باتوں کی گرفت کی گئی ہے وہیں کلیم عاجز کو سمجھنے کے لیے نسیم اختر کا مقالہ ایک اشاریہ ہے۔

اس موقعے پر بہار اردو اکادمی کے سکریٹری جناب رضوان احمد بی این کالج، پٹنہ کے صدر شعبۂ اردو ڈاکٹر اعجاز علی ارشد، 'الجواد' لکھنؤ کے ایڈیٹر، ناصر زیدی اور معروف افسانہ نگار احمد یوسف بھی موجود تھے۔ تقریب کی صدارت کرتے ہوئے پروفیسر عبدالمغنی نے کہا کہ نسیم اختر صاحب تحقیق و تنقید کا سلیقہ رکھتے ہیں۔ اگر مزید کاوش کریں گے تو اچھی سے اچھی تخلیق پیش کرسکتے ہیں اور تنقید بھی۔ (ڈاک سے)

میکش اکبر آبادی: حیات اور کارنامے

● نئی دہلی، 26ر ستمبر۔ "میکش اکبر آبادی نے اقبال اور تصوف کے سیاق میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تاریخی اہمیت ہے، ان کی شخصیت جامع اور تہہ دار تھی۔" ان خیالات کا اظہار اردو کے ممتاز نقاد پروفیسر محمد حسن نے ڈاکٹر حبیب الرحمن نیازی کی کتاب "میکش اکبر آبادی: حیات اور کارنامے" کی تقریبِ رسمِ اجرا میں کیا۔ یہ تقریب شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی میں منعقد کی گئی جس کی صدارت خواجہ حسن ثانی نظامی نے کی۔ پروفیسر عبدالحق نے مہمانوں کا استقبال کیا۔ اس موقعے پر اظہارِ خیال کرنے والوں میں پروفیسر صادق، پروفیسر امیر عارفی، پروفیسر شریف حسین قاسمی، پروفیسر نیر عالم فریدی، ڈاکٹر نعمان خاں، شامل تھے۔ اظہارِ تشکر کی رسم ڈاکٹر ابن کنول نے ادا کی۔ اس تقریب میں اساتذہ کے علاوہ بڑی تعداد میں طلبہ و طالبات شریک ہوئے۔ (راشٹریہ سہارا، دہلی)

فصیلِ شب سے پرے

● گلبرگہ: ادارۂ ذہنِ جدید، گلبرگہ کے زیرِ اہتمام جناب نصیر احمد نصیر کے اولین شعری مجموعے "فصیلِ شب سے پرے" کی رسمِ اجرا

29/ ستمبر 2002 کو گلشنِ اطفال اسکول، گلبرگہ میں انجام پائی۔ رسمِ اجرا جناب وہاب عندلیب (صدر، کرناٹک اردو اکادمی) نے انجام دی اور صدارت پروفیسر حمید سہروردی نے کی۔ جناب معین محمود، جناب سید مجیب الرحمٰن، جناب مسعود عبدالخالق، جناب حامد اکمل نے بحیثیتِ مہمانانِ خصوصی شرکت کی۔ اس موقعے پر جناب سردار سلیم حیدر آباد، جناب ڈاکٹر فاروق شکیل حیدر آباد، جناب صادق کرمانی، جناب اطہر معز اور جناب منظور احمد نے اظہارِ خیال کیا۔ ڈاکٹر محمد عبدالحمید اکبر کی قرأت کلام پاک سے جلسے کا آغاز ہوا۔ جناب واجد اختر صدیقی نے نظامت کے فرائض انجام دیے اور جناب بشیر اعجاز نے شکریہ ادا کیا۔ رسمِ اجرا کے بعد ایک شعری نشست کا انعقاد جناب معین محمود کی صدارت میں عمل میں آیا۔ (ڈاک سے)

مدرسینِ مراد آباد اور اردو شاعری

● مراد آباد کے ہیوٹ مسلم انٹر کالج میں یومِ اساتذہ کے موقعے پر 5/ ستمبر شام 5 بجے ایک کتاب "مدرسینِ مراد آباد اور اردو شاعری" کا اجرا عمل میں آیا۔ اس کتاب کے مرتبین کالج کے دو اساتذہ ڈاکٹر توصیف الحسن اور کشور عثمانی ہیں۔ کتاب میں اُن تمام شعرا کو شامل کیا گیا ہے جو پیشے سے مدرس رہے ہیں۔ اس تقریب میں مراد آباد کے ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن ڈاکٹر میگھ سنگھ بہ حیثیتِ مہمانِ خصوصی شریک ہوئے اور ان ہی کے ہاتھوں اس کتاب کا اجرا عمل میں آیا۔ اس موقعے پر جگر فاؤنڈیشن کمیٹی کے صدر معصوم نہٹوی صاحب بھی موجود تھے۔ اس تذکرے میں شامل زندہ شعراء نے بھی اس تقریب میں شرکت کی جن میں ابرار محسنی، تحسین ناز ش، زاہد عرفانی، عزیز احمد، غیر مراد آبادی، کامل مراد آبادی، مینا ناز و روحے پر کاش تیاگی وغیرہ شامل ہیں۔ تذکرے میں کچھ مرحوم شعرا مثلاً عزیز مراد آبادی، بدر جلالی، کیف مراد آبادی اور رام کرشن مشفق کے نام شامل ہیں۔ (قومی آواز دہلی)

ماہنامہ تصوفِ ملی

● نئی دہلی، 21/ ستمبر۔ ادارۂ تصوف ملی کے زیرِ اہتمام غالب اکادمی بستی حضرت نظام الدین میں ماہنامہ "تصوف ملی" کو لکا تا کا اجرا خواجہ حسن ثانی نظامی کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ تقریب کی صدارت جسٹس عبدالستار قریشی (گجرات ہائی کورٹ) نے کی۔ عالمی امن کمیٹی یوپی کے صدر مسٹر نیر قریشی گنگوہی اور نسیم انور ایوبی مہمانِ خصوصی تھے۔ محمد یحییٰ ذکی نے تلاوت کلام پاک کے بعد حمد پڑھی۔ تصوف اور امن عالم کے موضوع پر فاروق انصار، عمران عظیم ایڈوکیٹ، محمد اطہر حسین انصاری، نسیم انور ایوبی، مفتی مکرم صاحب، جسٹس عبدالستار اور خواجہ حسن ثانی نظامی نے پر مغز اور سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ نظامت "تصوف ملی" کے مدیر مسٹر محمد یحییٰ ذکی نے کی۔ (قومی آواز دہلی)

وفیات

اکبر رحمانی

● 17/ ستمبر 2002 شام 6 بجے مہاراشٹر کے مشہور ماہر تعلیم، نامور ادیب، صحافی اور ماہنامہ "آموز گار" کے مدیر جناب اکبر رحمانی کا انتقال ہو گیا۔ وہ گذشتہ کئی سال سے ذیابیطس کے مریض تھے۔ اسی مرض کی وجہ سے ان کا پاؤں بھی کاٹا گیا۔ جس سے وہ معذور ہو گئے تھے اور انتقال سے دو ہفتے قبل گردوں نے بھی کام کرنا بند کر دیا تھا۔ ان کی عمر 62 برس تھی۔

مرحوم کی پوری زندگی تعلیم و تعلم سے عبارت تھی۔ جلگاؤں کے ایک جونیئر کالج سے بحیثیت استاد چند سال قبل ریٹائر ہوئے تھے۔ وہ نوجوانی سے ملی اور تعلیمی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور عمر کے آخری مرحلے تک صحت کی خرابی اور معذوری کے باوجود یہ سلسلہ جاری رہا۔ ادب، اسلامیات، تاریخ، صحافت اور بچوں کے ادب پر مرحوم کی بیس سے زائد کتابیں شائع ہوئیں۔ 1980 کے لگ بھگ مہاراشٹر کی سرکاری اردو درسیات کی تیاری اور ترجمے کا کام مرحوم کی نگرانی میں انجام پایا تھا۔ وسائل کی قلت کے باوجود ماہنامہ "آموز گار" کو وہ برسوں سے شائع کر رہے تھے۔ "آموز گار" نہ صرف ریاست مہاراشٹر بلکہ پورے مسلمانانِ ہند کے تعلیمی امور و معاملات میں بے باک ترجمان کا فریضہ انجام دیتا رہا۔ "قومی یکجہتی اور نصابی کتابیں" اس موضوع پر انھوں نے ایک مستقل کتاب بھی لکھی تھی۔ مرحوم ایک اچھے مقرر بھی تھے۔ مختلف سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی طرف سے انھیں انعامات و اعزازات دیے گئے تھے۔

مولانا فصیح الدین دہلوی

● عالمِ دین اور عربی زبان کے ماہر مولانا فصیح الدین دہلوی 17/ ستمبر کی رات کو قریب گیارہ بجے انتقال کر گئے۔ وہ 61 برس کے تھے اور لمبے عرصے سے بیمار تھے۔ اخباری اطلاع کے مطابق پسماندگان میں اہلیہ اور چھ بیٹیاں ہیں۔

مرحوم نے حفظِ قرآن کے بعد مدرسۂ عربیہ فتح پوری دہلی میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ فنون کی بعض کتابیں پڑھنے کے لیے انھوں نے کچھ عرصے دارالعلوم دیوبند میں بھی گزارا۔ فراغت کے بعد مدرسۂ عالیہ عربیہ

میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ انڈین کونسل فار کلچرل ریلیشنز کے سہ ماہی عربی رسالے "ثقافۃ الہند" سے وابستہ رہے۔ چند سال تک عراقی سفارت خانے میں بھی کام کیا اور پھر طویل عرصے تک کویتی سفارت خانے میں کام کرتے رہے۔ اپنی منصبی مصروفیات کے ساتھ ساتھ انھوں نے علمی مشاغل بھی جاری رکھے اور مختلف عنوانات کے تحت مضامین و مقالات لکھتے رہے۔ انھوں نے ترجمہ سکھانے والی ایک کتاب "معین المترجم" کے نام سے تالیف کی جو عربی زبان سے شغف رکھنے والوں میں پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔

اللہ داد خاں

● معروف ماہر تعلیم اور دانشور پروفیسر اللہ داد خاں 29 ستمبر کو سرینگر میں انتقال کر گئے۔ ان کی عمر قریب 83 برس تھی۔ پروفیسر خاں نے تمام عمر تعلیم کو فروغ دینے اور اردو زبان کی ترویج کے لیے کام کیا۔ ریاست کے کئی سرکردہ تعلیمی ماہروں اور ادبی شخصیات نے پروفیسر اللہ داد خاں کی وفات پر رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔

الہ آباد میں ایک تقریب کے دوران مرکزی وزیر ڈاکٹر مرلی منوہر جوشی محمد کیف کو "پریاگ گورو" سمان سے نوازتے ہوئے۔

محمد کیف کو "پریاگ گورو سمان" سے نوازا گیا

الہ آباد، 31 اگست۔ 30 اگست کی شام کو ایک شاندار تقریب میں بلے باز محمد کیف کو انعامات سے نوازا گیا۔ اس نے لارڈز کے تاریخی میدان میں نیٹ ویسٹ سہ ملکی یک روزہ کرکٹ سیریز کے فائنل میچ میں 87 ناٹ آؤٹ رن بنا کر ہندستانی کرکٹ ٹیم کو فتح سے ہم کنار کیا تھا۔ پریاگ سنگیت سمیتی ہال میں ہوئی اس تقریب میں بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی، جس میں کرکٹ کے شائقین، کھلاڑی اور سیاستداں شامل تھے۔

اس تقریب کے مہمان خصوصی انسانی وسائل کی ترقی کے وزیر مرلی منوہر جوشی نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ محمد کیف کی لگن اور عزم نے اس کو اس اونچے مقام پر پہنچایا۔ انھوں نے محمد کیف کو ایک تمغہ اور اترپردیش حکومت کی طرف سے دو لاکھ روپے کا چیک دیا۔ ڈاکٹر جوشی نے نوجوانوں کو مشورہ دیا کہ وہ محمد کیف کے نقش قدم پر چلیں۔ اس موقعے پر کیف کے والد محمد تعریف اور والدہ قیصر جہاں سمیت گھر کے تمام افراد موجود تھے۔ دو روز قبل محمد کیف جب پریاگ راج سے الہ آباد پہنچے تو شائقین کی بڑی تعداد انھیں دیکھنے کے لیے امڈ پڑی۔ (راشٹریہ سہارا)

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

محکمۂ تعلیم، وزارتِ ترقیِ انسانی وسائل، حکومتِ ہند، ویسٹ بلاک۔1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110066

تامل ناڈو میں اردو

مولف: علیم صبانویدی

تامل ناڈو میں اردو زبان وادب کے آغاز وارتقا کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ اس کتاب میں اس تاریخ کے اہم گوشے اہم شخصیتوں کے حوالے سے اجاگر کیے گئے ہیں۔

ڈیمائی، 436 صفحات، قیمت 135 روپے

خسرو شناسی

مرتبین: ظ انصاری، ابوالفیض سحر

حضرت امیر خسرو دہلوی کی سات سو سالہ تقریبات کے موقعے پر لکھے گئے اہم مضامین جو حضرت امیر خسرو کی ہمہ جہت شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں۔

تیسرا ایڈیشن

ڈیمائی، 368 صفحات، قیمت 80 روپے

بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقا

پروفیسر اختر اورینوی

اس کتاب میں 1204 سے 1857 تک بہار میں اردو زبان وادب کے ارتقا کا منظر نامہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس دور کے سبھی اہم شاعروں اور نثر نگاروں کے تذکرے کے علاوہ ان کی نظم ونثر کے نمونے بھی شامل کتاب ہیں۔

ڈیمائی، 347 صفحات، قیمت 18 روپے

چکبست

رام لال نابھوی

پنڈت برج نرائن چکبست کی شاعری قوم پرستی اور حب الوطنی کے جذبات کا فنکارانہ اظہار ہے۔ وہ شعر گوئی ہی کی طرح نثر نگاری پر بھی قادر تھے اور صحافت سے بھی انھیں شغف رہا۔ اس کتاب میں ان کی سبھی خصوصیات کا احاطہ کیا گیا ہے اور ہر شعبے میں ان کے امتیازات کو نمایاں کیا گیا ہے۔

ڈیمائی، 191 صفحات، قیمت 18 روپے

پھول بن

محمد اکبرالدین صدیقی

اردو کے ابتدائی شعری کارناموں میں جو دکن میں معرضِ وجود میں آئے، ابن نشاطی کی مثنوی "پھول بن" ایک امتیازی شان کی حامل ہے۔ یہ اس مثنوی کا مکمل ترین متن اور صحیح ترین تعارف ہے جو معتبر ماخذ کی مدد سے مصنف نے مرتب کیا ہے۔

دوسرا ایڈیشن

ڈیمائی، 200 صفحات، قیمت 52 روپے

جوش ملیح آبادی۔ شخصیت اور فن

مصنف: ظفر محمود

جوش ملیح آبادی کی شخصیت اور شاعری پر مختلف قسم کی رائیں ظاہر کی گئی ہیں جو مثبت بھی ہیں اور منفی بھی لیکن ان کی قوت بیانیہ کا اعتراف سبھی کو ہے۔ اس مختصر کتاب میں ان کی شاعری اور شخصیت پر غیر جانبدارانہ گفتگو کی گئی ہے۔

دوسرا ایڈیشن

ڈیمائی، 108 صفحات، قیمت 38 روپے

نوٹ:- طلبہ واساتذہ کے لیے خصوصی رعایت۔ تاجرانِ کتب کو حسبِ ضوابط کمیشن دیا جائے گا۔

تبصرہ و تعارف

معاشیات / رضیہ نظامی

صفحات 381، قیمت -/87 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، نئی دہلی

مبصر: معین الدین خاں

دور حاضر میں سائنسی اور تکنیکی علوم کی ترقی نے سماجی علوم کی حیثیت کو بری طرح مجروح کیا ہے۔ لیکن سماجی علوم میں علم معاشیات کی قدر و منزلت نہ صرف اب تک برقرار ہے بلکہ اس کے پرستاروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ دہلی کے مشہور سینٹ اسٹیفن کالج میں معاشیات (آنرس) میں داخلہ لینے کے لیے اس سال دس ہزار طالب علموں نے فارم داخل کیے مگر صرف 50 ہی خوش قسمت نکلے، جن کا داخلہ ہو سکا۔ (واضح رہے کہ Cut Off مارکس 90% تھا)۔ دراصل، آج ہماری زندگی پر معاشی قوتوں کا اثر بڑھتا جا رہا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اس اثر کو سمجھنے میں ہماری معاونت کرتی ہے۔

8 حصوں پر مشتمل 17 ابواب کی اس کتاب میں معاشیات کے تقریباً تمام بنیادی اصولوں اور اصطلاحوں مثلاً صرف، طلب و رسد، پیداوار، لاگت، زر، آمدنی، بینک کاری، بین الاقوامی تجارت اور عوامی مالیہ وغیرہ پر 381 صفحات میں اجمالاً روشنی ڈالی گئی ہے۔ سب سے پہلے علم معاشیات کی نوعیت اور وسعت پر غور کیا گیا ہے، اس کے اقداری اور اثباتی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد متعدد تعریفوں کی وضاحت کی گئی ہے رابنس (Robbins) کی تعریف کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ اس نے تمام معاشی مسائل کا مرکز وسائل کی قلت (Scarcty) قرار دیا۔ معاشیات کا قدیم نقطہ نظر اسے چار حصوں صرف، پیداوار، مبادلہ اور تقسیم میں منقسم کرتا ہے جب کہ جدید نقطہ نظر کی رو سے اس کا مطالعہ جزوی معاشیات (Microeconomics) اور کلی معاشیات (macroeconomics) کے تحت انجام پاتا ہے۔ لیکن جب ہم پوری معیشت کا تجزیہ ایک ساتھ کرتے ہیں تو یہ کام کلی معاشیات کا حصہ بن جاتا ہے۔ 1936 میں جان ایم کینز (John M.Keyens) کی شہرۂ آفاق کتاب نے اس شاخ کو مقبول عام بنایا۔ اب تو معاشیات کی دسیوں شاخیں ہیں۔

دوسرے اور تیسرے باب میں معاشیات کے بنیادی تصورات مثلاً اشیا اور اس کی مختلف قسمیں، احتیاجات اور متعدد اقسام، افادہ اور اس کے قوانین پر تفصیلی بحث ہے۔ چوتھے باب میں طلب کی تعریف اور اس کے متعین کرنے والے عوامل مذکور ہیں۔ عاملین پیداوار چار ہیں۔ کارانداز، زمین، محنت اور سرمایہ کو بروئے کار لا کر پیداوار کرتا ہے اور پھر اس کے لیے معاوضہ ادا کرتا ہے۔

چھٹے باب میں رسد، متعین کرنے والے عناصر سے بحث ہے۔ ساتویں باب میں لاگت اور آمدنی کے مسئلے کو سمجھایا گیا ہے۔ موقتی لاگت ایک اہم اصطلاح ہے جس پر خاصی گفتگو کی گئی ہے۔ پھر آئندہ باب میں بازار کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ایک خاص وقت میں مخصوص قیمت پر کسی شے کی خرید و فروخت ہے، بازار کی مختلف قسمیں بھی بتائی گئی ہیں۔ نویں باب میں مکمل مسابقتی بازار میں قیمت کے تعین کا سوال اٹھایا گیا ہے اور دسویں باب میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ مکمل مسابقت کے تحت کس طرح فرم اور صنعت میں توازن قائم ہوتا ہے اور گیارہویں باب میں اجارہ داری کے تحت قیمت کے تعین کا ذکر ملتا ہے۔

تیرھویں باب میں زر (Money) کے ارتقا اور اس کی اقسام پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے۔ سرکار کس طرح معاشی سرگرمیوں پر زر کے رسد کے ذریعے کنٹرول کرتی ہے اور پھر بجٹ کے ذریعے کس طرح اقتصادی امور کی دیکھ بھال کی جاتی ہے نیز، زر کی قوت خرید میں تبدیلی ہونے سے عام انسان پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ قومی آمدنی کا تعین کیسے ہوتا ہے۔ یہ ساری باتیں اس کتاب میں زیر بحث آئی ہیں۔

اس کتاب میں بینک کاری کے مختلف اصطلاحوں سے واقف کرایا گیا ہے۔ مرکزی بینک کس طرح ملک کے دوسرے بینکوں کے کام کاج پر نظر رکھتا ہے، اس کی ذمے داریاں کیا ہیں اور ملک کی تعمیر و ترقی میں اس کا کیا رول ہے، ان سارے امور پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ بین الاقوامی تجارت کے رموز کو سولھویں باب میں منکشف کیا گیا ہے۔ توازن تجارت کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ سترھویں اور آخری باب میں عوامی مالیہ (Public Finance) کے مسائل پر مختصراً غور کیا گیا ہے۔ آمدنی اور عوامی محصولات میں فرق بھی واضح کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں مذکورہ تمام امور پر اجمالاً روشنی ڈالی گئی ہے اور ان تمام موضوعات پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے جن کا علم نہ ہونے کی وجہ سے بارہا علمی تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ اس کتاب میں اس لحاظ سے اضافہ ضروری ہے کہ یہ کتاب گریجویٹ (خصوصاً آنرس) کے طالب علموں کے بھی کام آ سکے۔ دوسری اہم بات یہ کہ اس کتاب میں Suggested Reading دیا جائے اور یہ ایسی کتابیں ہوں جو بہتر ہونے کے ساتھ بازار میں دستیاب

بھی ہوں۔ کتاب کے آخر میں معاشیات کی اہم اصطلاحوں کی Glossary کا اضافہ کر دینے سے یہ کتاب Ready Reference کا کام بھی انجام دے گی۔ پرنٹ کی چند غلطیوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ کتاب اپنے آپ میں مکمل ہے۔ مصنفہ نے اصولوں کو سمجھاتے ہوئے بروقت جدول اور گراف کو جگہ دی ہے۔ اور اس میں حروف اور اعداد کا استعمال ہوا ہے جو مناسب ہے۔ مصنف کو اس بات کے لیے مبارکباد دینا چاہیے کہ انھوں نے اصولوں کو سمجھاتے ہوئے دقیق الفاظ کا سہارا نہیں لیا ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ کتاب سے دلچسپی برابر برقرار رہتی ہے۔

•

البیرونی کے جغرافیائی نظریات / ڈاکٹر حسن عسکری کاظمی

صفحات 168، قیمت -/53 روپے

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، ونگ-6، نئی دہلی

مبصر: ملک راشد فیصل

البیرونی کے لقب سے مشہور ابوریحان محمد بن احمد الخوارزمی ان باصلاحیت اور ممتاز افراد میں سے ایک تھا جنھوں نے علم کے مختلف شعبوں میں اپنی کارکردگیاں دکھا کر تاریخ میں اپنے نام محفوظ کر لیے ہیں۔ دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں اس نے اپنے سائنٹفک ذہن سے کام لیتے ہوئے دنیا کو نئی معلومات سے روشناس کرایا۔ البیرونی سے قبل عرب دانشوروں نے سائنس کے میدان میں پیش قدمیاں تو کی تھیں مگر پھر بھی بہت کچھ کرنا باقی تھا۔ البیرونی نے پہلے کے نظریات و تجربات کو وسعت دے کر انھیں ایک سائنسی زبان اور سائنٹفک قطعیت دی۔ مزید برآں نئے حقائق پیش کیے۔

البیرونی نے مختلف علوم پر طبع آزمائی کی مثلاً علم الادویہ، علم الریاضی و ہندسہ، جراحی، علم الہیئت، علم الارض، جغرافیہ، علم الکیمیا، علم طبیعیات، شاعری و فنون لطیفہ۔ اس نے سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ اس کی کتاب 'کتاب الہند' عہدِ وسطیٰ کی عظیم مستند کتابوں میں سے ایک ہے جو آج بھی محققین کے لیے اہمیت رکھتی ہے۔ یہ صرف ہندستان کی تاریخ اور معاشرت کی ایک تحریری دستاویز ہی نہیں ہے بلکہ اس میں وہ جغرافیائی لوازم بھی قلم بند کیے گئے ہیں جو کسی ملک اور قوم کی تعمیر میں حصہ لیتے ہیں۔ اس کے کاموں میں جغرافیہ کے مضمون پر تخلیق کردہ کتابیں ایک خصوصی درجہ رکھتی ہیں۔

البیرونی سے پہلے چند مفکروں نے جغرافیہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے مگر ان کے علمی اضافے اس موضوع پر باضابطہ تحریروں کے درجے میں نہیں آتے ہیں۔ یہ شرف البیرونی کو ہی حاصل ہے کہ وہ اولین جغرافیہ داں کی حیثیت سے سامنے آیا۔ اس نے سب سے پہلے جغرافیہ میں Casual انداز فکر اپنایا اور مسائل کے توالد میں وجوہاتی اصول پر توجہ دی۔ اس نے جغرافیہ کے میدان میں قابلِ قدر اضافے کیے ہیں۔ اس کے بہت سے خیالات، جدید رجحانات اور نظریات کا پیش خیمہ تھے۔ اس کے باوجود اس کے جغرافیائی نظریات کا تجزیہ کرنے کی کوئی بڑی کوشش اب تک نہیں کی گئی۔

گرچہ پچھلے چند برسوں میں البیرونی کے علمی و جغرافیائی کارناموں پر کچھ کام ہوئے ہیں لیکن یہ سب انگریزی زبان میں ہیں جن سے ہمارا اردو داں طبقہ فیض حاصل نہیں کر سکا ہے۔ ڈاکٹر حسن عسکری کاظمی نے اسی ضرورت کے پیشِ نظر ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ مصنف نے اس کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں دلچسپ انداز میں البیرونی کی شخصیت اور فن پر تفصیلات دی گئی ہیں۔ بقیہ ابواب بالترتیب کونیات، طبعی جغرافیہ، تذکراتی جغرافیہ، علاقائی جغرافیہ اور ریاضیاتی جغرافیہ پر مشتمل ہیں۔ آخر میں تلخیص کے ذریعے ساری بحث کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کی زبان عام فہم ہے لیکن عربی و فارسی الفاظ پر مشتمل جغرافیہ کی تکنیکی اصطلاحات کی وجہ سے مذکورہ زبانوں سے نابلد قارئین کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ مصنف کے لیے یہ عمل ناگزیر تھا۔ البتہ آسانی کی غرض سے انگریزی کی متبادل اصطلاحات بھی نقل کر دی گئی ہیں۔ طباعت میں پروف ریڈنگ کی غلطیاں جابجا ملتی ہیں اور کئی جگہوں پر الفاظ واضح نہیں ہیں۔ بہر حال مصنف کی یہ کاوش اپنی جگہ قابلِ ستائش ہے۔ جغرافیہ کے میدان میں البیرونی کی اہمیت آج بھی ہے اور آنے والے زمانے میں بھی رہے گی۔ جدید معلومات کی روشنی میں اس کے کام کے مختلف گوشے سامنے آئیں گے اور اس طرح البیرونی کے کارناموں کو وسعت ملے گی۔

•

پریم چند کی آپ بیتی / مدن گوپال

صفحات 240، قیمت -/200 روپے (مکمل سیٹ)

ناشر: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، 9، گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی-2

مبصر: جیالا ساز

زمانۂ طالب علمی میں پریم چند کی کئی کہانیاں اخبار و رسائل میں پڑھی تھیں اور اُن سے بے حد متاثر ہوا تھا لیکن اس عمر میں زیرِ نظر کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے جو ذہنی، جذباتی اور روحانی تشفی ہوئی اُس کا ذکر بیان سے باہر ہے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کسی ٹائم مشین نے 90-80 سال پہلے پریم چند کے زمانے میں پہنچا دیا ہو اور میں اُن کے ساتھ ساتھ یوپی کے کھیت کھلیانوں، ندی نالوں، پگڈنڈیوں، سڑکوں، کھپریلوں اور کچے مکانوں میں اُن سب

واقعات اور حالات کا چشم دید گواہ ہوں جو پریم چند پر بیتے۔ گاندھی جی کی زیرِ رہنمائی جنگ آزادی کی لہر اور اس میں پریم چند کی شرکت، یہ سب کچھ اس کتاب کی بدولت ایک Period Film کی طرح دل و دماغ پر چھا جاتا ہے۔

پریم چند نے رسمی طور پر اپنی داستانِ حیات نہیں لکھی لیکن غیر رسمی طور پر اُن کی زندگی کے واقعات اور حالات اُن کی تمام تر تخلیقات میں بکھرے پڑے ہیں۔ جناب مدن گوپال نے بڑی باریک بینی سے اُن واقعات اور حالات کو یکجا کرکے ''پریم چند کی آپ بیتی'' میں اس قدر خوشنما انداز میں پرو دیا ہے کہ کتاب پر خود نوشت سوانح عمری کا گمان ہوتا ہے۔ اس نوعیت کا نہایت ہی دلچسپ، کار آمد اور یادگار کام مدن گوپال ہی کر سکتے تھے جن کی ایک عمر پریم چند کے دشت (یا سبزہ زار) کی سیاحی میں گزری ہے۔

انگریزی ادب میں Boswell's Life of Johnson کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ باسویل نے مشہور و معروف تخلیق کار ڈاکٹر جانسن کی قربت میں رہ کر اپنے قریبی مطالعے و مشاہدے کی بنا پر جانسن کی زندگی پر جو معرکتہ الآرا کتاب لکھی، اُس کا آج بھی جواب نہیں اور مدن گوپال نے پریم چند کی تخلیقات — کہانیاں، ناول، خطوط، مضامین (جن پر وہ عہدِ جوانی سے جی جان سے تحقیق کر رہے ہیں اور آج 83 سال کی عمر میں بھی اُن کی جستجو میں کوئی زوال نہیں آیا) — میں رچ بس کر ایک ایسا کام کر دکھایا ہے جس کے وہی اہل تھے۔ جناب مانک ٹالا نے (جنھوں نے خود پریم چند پر پچھلے بیس برس میں انتھک تحقیق کی ہے) کتاب کے پیش لفظ میں مدن گوپال کو اُن کے عمر بھر کے تحقیقی کام پر خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے انھیں ادبیاتِ پریم چند کے پہلے باقاعدہ محقق کا بلند مقام دیا ہے جس کے وہ ہر لحاظ سے مستحق ہیں۔

''پریم چند کی آپ بیتی'' موڈرن پبلشنگ ہاؤس نے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کی ہے۔ امید ہے علمی و ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوگی۔

●

نصابِ تعلیم (برائے درجاتِ عالیہ) / ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

صفحات 192، -/50 روپے

ناشر: شعبۂ نشر و اشاعت، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

مبصر: ڈاکٹر تابش مہدی

عربی و فارسی بورڈ اتر پردیش حکومتِ اتر پردیش کا ایک ایسا ادارہ ہے جس سے اتر پردیش کے سیکڑوں مدارس ملحق ہیں اور تقریباً ڈھائی سو مدارس ایسے ہیں جنھیں یوپی حکومت باضابطہ امداد دیتی ہے۔ ان مدارس میں تحتانیہ، فوقانیہ اور عالیہ درجات تک کی تعلیم ہوتی ہے جہاں سے طلبہ فارسی میں منشی اور کامل کے امتحانات پاس کرتے ہیں اور عربی میں مولوی، عالم، اور فاضل کے۔ فاضل کے امتحانات کی بھی مختلف نوعیتیں ہیں، مثلاً فاضلِ دینیات، فاضلِ ادب، فاضلِ طب وغیرہ۔ ان میں بھی شیعہ اور سنّی کے دو الگ الگ شعبے ہیں۔ لیکن یہ حیرت ناک بات ہے کہ ان امتحانات کے لیے آزادی سے پہلے بورڈ کے قیام کے وقت جو نصاب تیار ہوا تھا وہ تمام ملحقہ مدارس میں کسی حذف و اضافے کے بغیر ابھی تک رائج ہے۔ ضرورت اس بات کی محسوس کی جارہی تھی کہ اس نصاب میں عصری تقاضوں کے مطابق تبدیلی لاکر ایک ایسا نصابِ تعلیم مرتب کیا جائے جو طلبہ میں صحیح علمی ترقی کا سبب بن سکے۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم ان تمام امتحانات کو پاس کر چکے ہیں اور ان امتحانات کے لیے بہت سے طلبہ کو تیار کرتے رہے ہیں، نیز ایک مدت تک وہ بورڈ کے ایک ملحقہ مدرسے سے وابستہ رہے ہیں، اسی لیے جامعہ ہمدرد کے شیخ الجامعہ جناب سراج حسین نے یہ ذمّے داری انھیں تفویض کی۔ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم نے یہ کام بڑی محنت اور عرق ریزی سے انجام دیا ہے۔ انھوں نے سب سے پہلے نصاب سے متعلق ایک خاکہ مرتب کیا اور اُسے تقریباً 65 علما اور دانش وروں کے پاس بھیج کر اُن کی رائے طلب کی۔ پھر اُن کی رایوں کی روشنی میں ایک نصاب مرتب کیا اور اس کی توثیق کے لیے دو کارگاہیں (ورکشاپ) منعقد کیں، ایک لکھنؤ میں اور ایک جامعہ ہمدرد دہلی میں۔ اداروں اور شخصیات سے رابطہ پیدا کرنے میں مرتب نے کسی قسم کے تحفظ یا تعصب کو روا نہیں رکھا۔ مثلاً انھوں نے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، الٰہ آباد یونی ورسٹی اور لکھنؤ یونی ورسٹی کے اساتذہ کو بھی مدعو کیا اور ندوۃ العلما لکھنؤ، دارالعلوم دیوبند، جامعہ سلفیہ بنارس، جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے علما اور اساتذہ کو بھی۔

یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ ایک اچھا اور جامع نصابِ تعلیم ہے۔ امید ہے کہ یہ نصاب عربی مدارس کے لیے ایک مفید اور کار آمد نصاب ثابت ہوگا۔

●

پروین رائے اور دوسرے منظوم ڈرامے / رفعت سروش

صفحات 97، -/100 روپے

ناشر: نورنگ کتاب گھر، اے 80، سیکٹر 27، نوئیڈا

مبصر: حسن مثنیٰ

زیرِ تبصرہ کتاب ''پروین رائے اور دوسرے منظوم ڈرامے'' مشہور شاعر، ادیب و صحافی رفعت سروش کی قلمی کاوش کا نتیجہ ہے جس میں انھوں نے پانچ ڈراموں کو شامل کیا ہے۔ یہ تمام ڈرامے رفعت صاحب کی جودتِ طبع، ذہانت اور قلم پر مضبوط گرفت اور ان کے تخلیقی عمل کا پتا دیتے ہیں ساتھ ہی تاریخ سے ان کی دلچسپی کا احساس بھی دلاتے ہیں اور اس بات کو بخ

ثابت کر دیتے ہیں کہ وہ ادب میں فن کاری کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں جیسا کہ انھوں نے خود بھی اعتراف کیا ہے کہ

"فنکار زندگی کا شیدائی ہوتا ہے، وہ ظلمت سے نور کاڑھتا ہے، منجمد کرداروں کو فکر و تجربے سے متحرک کرتا ہے اور اس میں اپنے دل کا سوز و ساز بھرتا ہے تب کہیں جاکر فن کا بنیادی مقصد پورا ہوتا ہے۔"

رفعت صاحب کا یہ خیال درست ہے کیوں کہ یہ تقاضے ہی اسے نئے نئے گوشے تراشنے پر مجبور کرتے ہیں جسے تخلیق کا نام دیا جاتا ہے۔ "پروین رائے، منظوم ڈرامہ ہے جس کا پلاٹ 16 ویں صدی کے ہندستان کی عکاسی کرتا ہے جس میں مغلیہ سلطنت اپنے عروج پر تھی اور جلال الدین اکبر اپنی تمام تر شوکت و جلال کے ساتھ تختِ شاہی پر جلوہ افروز تھا۔ اس کے زیر نگیں چھوٹے چھوٹے راجہ و نواب اپنی اپنی ریاستوں میں داد عیش دینے میں مصروف تھے اور عورت دل بہلانے کا سامان تھی۔ ایسے ہی ماحول میں چھا کے راجہ اندر جیت کی درباری رقاصہ کچنا کی بیٹی پروین رائے کے حسن و ادا کی خبر اکبر کے دربار تک پہنچی تو اکبر نے اسے حاصل کرنے کی ٹھان لی۔ دوسری طرف راجہ اندر جیت بھی اس پر دل و جان سے فدا تھا اور اس کی خاطر کچھ بھی کرنے کو تیار تھا لیکن اکبر کے حکم کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور پروین رائے کو حاضری دینی ہی پڑی۔ اپنی ہوشیاری اور فن سے وہ اکبر کا بھی دل جیتنے میں کامیاب رہی اور اپنے محبوب کے پاس اکبر کے حکم سے ہی باعزت واپس چلی گئی۔ اس ڈرامے کا کلیدی مکالمہ جس میں ایک لفظ "جھوٹی پاتر" کے ذریعے ڈرامے کا رخ ہی موڑ دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

پھول کیا، کانٹے ہیں، چبھ جائیں نہ ہاتھوں میں حضور
سچ کی ہی پرچھائیاں ہیں میری باتوں میں حضور
آپ ہیں سمراٹ، میں ہوں اک بچاری نرتکی
ایک دو ہانپتے بس یہ ہے ہماری زندگی
"ونتی رائے پروین کی، سنیے شاہ سجان
جھوٹی پاتر بھگت ہیں باری، بائس سوان"

اس ڈرامے میں ڈرامہ نگار نے کئی جگہ تصادم پیدا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ راجہ اندر جیت اور اکبر، اکبر اور پروین رائے وغیرہ کے مابین۔ مکالمے بڑے ہی خوبصورت انداز میں پیش کیے گئے ہیں اور ڈرامے کے مختلف سین میں اکبر، راجہ اندر جیت، کیشوداس، کچنا، پروین رائے، نعمت خاں وغیرہ اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں لیکن کلیدی کردار پروین رائے کا ہے جس کے ارد گرد ہی ڈرامے کا پلاٹ گھومتا نظر آتا ہے۔

دوسرا ڈرامہ "رقص جاری ہے" قطب شاہی عہد کی تہذیب کا عکاس ہے۔ اس کا پلاٹ قلی قطب شاہ اور بھاگ متی کے عشق کی داستان سے لیا گیا ہے۔ یہ ڈرامہ نرتیہ سولولو کی ہے جس میں ایک رقاصہ مختلف وقت اور ادوار کو ہمارے سامنے پیش کرنے کی سعی کرتی ہے۔ گھنگھروؤں کی جھنجھناہٹ کے ذریعے ساری باتیں محسوس کی جاتی ہیں۔ ڈرامے میں الفاظ کا انتخاب مصنف نے نہایت ہی سلیقے سے کیا ہے۔

شہر حیدر آباد کی تشکیل گویا،
دو دلوں کے موڑ کی تصویر ہے
شہر دل ہے، شہر خوباں، شہر رمز عاشقی
اس کے ہر گوشے میں رقصاں چھن چھنانن زندگی

"شیش محل" بھی اچھا ڈرامہ ہے جو اقبال اور بھوپال کے رشتے کو ملحوظ رکھ کر لکھا گیا ہے جب کہ "خواب اور تعبیر خواب" ملک کی جدوجہد آزادی کا پس منظر پیش کرتا ہے۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب اور قیمت مناسب ہے۔ امید ہے، قارئین اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

•

سوغات / بشیشر پردیپ

صفحات 311، قیمت-/150 روپیے
ناشر: سیمانت پرکاشن، 922 کوچہ رودہیلا، ترلا بہرام، دریا گنج، نئی دہلی
مبصر: مشرف علی

افسانہ اردو ادب کی سب سے مقبول صنف ہے۔ یہ زندگی کے کسی ایک گوشے، واقعے یا کسی ایک نفسیاتی حقیقت کو پیش کرتا ہے۔ افسانے میں تاثر اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ حقیقت سے قریب ہو۔ اس لحاظ سے بشیشر پردیپ کے افسانے قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے عام بول چال کی زبان میں انسانی زندگی اور اس کے مختلف گوشوں کی حقیقی عکاسی کی ہے۔ ان کے افسانے ادب برائے زندگی کے ترجمان ہیں۔

"سوغات" بشیشر پردیپ کا نیا افسانوی مجموعہ ہے۔ ان کے دو سو سے زائد افسانے ہندو پاک کے ادبی رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی کہانیوں کے ترجمے ہندستان کی مختلف علاقائی زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت اتر پردیش اور بہار اردو اکادمی وغیرہ نے انعام واکرام سے نوازا ہے۔

زیر نظر افسانوی مجموعہ "سوغات" 38 افسانوں پر مشتمل ہے اور یہ سبھی افسانے انسان کی سماجی و تہذیبی زندگی، رسم و رواج، جذبات و احساسات اور فطرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بشیشر پردیپ نے سماج کے مختلف طبقوں کے گوناگوں حالات و مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ ان افسانوں کے ذریعے ان کی حقیقت پسندی اور سماجی شعور کی پختگی کا اظہار ہوتا ہے۔

بشیشر پردیپ نے اپنی کہانیوں کے لیے موضوعات و مواد گرد و پیش کے ماحول و معاشرے سے اخذ کیے ہیں۔ انھوں نے تقسیم ہند اور فسادات وغیرہ کے موضوع سے الگ ہٹ کر عام لوگوں کی زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار متوسط طبقے سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور سماج کے ایسے دبے کچلے افراد بھی ہیں جن کی کوئی سماجی حیثیت نہیں ہے۔

بشیشر پردیپ نے انسان کی عام زندگی و حالات اور فطرت کو اپنی کہانیوں میں پیش کیا ہے۔ ان کے بیشتر افسانے کسی نہ کسی نفسیاتی پہلو کو اجاگر کرتے ہیں۔ خاص طور سے عورتوں کی نفسیات، جذبات واحساسات کا انھوں نے بغور مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔ عورتوں کی داخلی و خارجی زندگی کی کشمکش، نفسیاتی الجھنوں اور ان کے حالات و مسائل کو فن کاری کے ساتھ مصنف نے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ انھوں نے جہاں متوسط طبقے کی عورتوں کے جذبات واحساسات اور نفسیات کو پیش کیا ہے وہیں غریب اور کمزور طبقے کی لڑکیاں اور عورتیں بھی اپنے جذبات واحساسات، نفسیاتی کشمکش اور محرومیوں کے ساتھ، ان کے افسانوں میں موجود ہیں۔ الوداع، بھرم، یقین، مہندی لگے ہاتھ، ماں کا دودھ، ایک لڑکی سیدھی سادی سی، دل والے، ھسیلن، ابھی تو درد باقی ہے، اس کا سب سے بڑا دکھ، اور برف پگھل گئی وغیرہ افسانوں میں مختلف طبقے کی عورتوں کی نفسیات اور جذبات واحساسات کے مختلف پہلوؤں کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

سماجی زندگی کے مختلف مسائل مثلاً جہیز کا مسئلہ، موجودہ عہد کی مادیت پرستی اور اولاد کی اپنے والدین سے بے رخی، قومی یک جہتی و ہم آہنگی کی ضرورت وغیرہ جیسے موضوعات بشیشر پردیپ کے افسانوں میں موجود ہیں۔ بعض افسانوں میں سماجی زندگی کے طور طریقوں پر طنز بھی ہے۔ افسانہ "کام کے لوگ" میں سماج کے مختلف طبقوں کی بے رحمی، سفاکی اور بے مروتی کو اجاگر کیا گیا ہے۔

بشیشر پردیپ کے ان افسانوں کی نمایاں خصوصیت انسانی زندگی کے تئیں ان کا مثبت رویہ ہے۔ وہ انسانیت اور محبت کے پجاری ہیں۔ انسانی اقدار انھیں عزیز ہیں۔ ان کا ہر افسانہ انسانی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کو پیش کرتا ہے۔

زیر نظر افسانوی مجموعے میں موجودہ عہد کی سماجی زندگی، معاشی حالات و مسائل، انسان کے جذبات واحساسات اور نفسیات کو موضوع بنایا گیا ہے اور اپنی حقیقت پسندی اور سماجی شعور کی پختگی کے ساتھ اسے پیش کیا گیا ہے۔ ان کے یہاں فکر و فن کا خوبصورت رچاؤ موجود ہے۔

بشیشر پردیپ کا انداز بیان نہایت صاف و سادہ اور سہل ہے۔ انھوں نے عام بول چال کی زبان کا استعمال خوبصورتی سے کیا ہے۔ انگریزی الفاظ کا استعمال جابجا ان کے افسانوں میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ کتاب کا سرورق دیدہ زیب اور طباعت بے حد عمدہ ہے۔ امید ہے کہ یہ قارئین کو ضرور پسند آئے گی۔

●

آئینِ جموں وکشمیر

صفحات 125، قیمت-/50 روپے

ناشر: اردو کوآرڈی نیشن سیل، ڈپارٹمنٹ آف لا،
حکومت جموں وکشمیر، سری نگر

جموں وکشمیر ہندستان کی واحد ریاست ہے جس کو بھارت کے آئین کے آرٹیکل 270 کے تحت خصوصی اختیارات حاصل ہیں۔ چنانچہ جموں وکشمیر کا اپنا الگ آئین ہے جس کی رو سے اس کو دوسرے صوبوں کے مقابلے میں خصوصی سیاسی وانتظامی اختیارات حاصل ہیں۔

جموں وکشمیر کی علاقائی زبان نہ ہونے کے باوجود، اردو سیکڑوں سال سے یہاں رابطے کی زبان کے طور پر استعمال ہو رہی تھی۔ اسی لیے بعد میں یہ یہاں کی سرکاری زبان بنی۔ لیکن یہ بات کچھ عجیب لگتی ہے کہ سرکاری زبان ہونے کے باوجود، جموں وکشمیر کے آئین کا اردو ترجمہ شائع نہیں ہوسکا تھا۔ بہر حال دیر آید درست آید کے مصداق جموں وکشمیر کے ڈپارٹمنٹ آف لا نے آئین کا مستند ترجمہ شائع کردیا ہے۔ جموں وکشمیر کی وحدت جن عناصر کو محیط ہے، ان میں اردو زبان کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیوں کہ صرف اسی زبان کی وجہ سے جموں، کشمیر اور لداخ میں جو لسانی، نسلی اور جغرافیائی اعتبار سے مختلف العناصر علاقے ہیں، سماجی روابط اور ہم آہنگی کا قیام ممکن ہوسکا ہے۔ اس پس منظر میں بھی یہ کام زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

ہندستان کے متنوع لسانی پس منظر میں قانون کی کتابوں کے ترجمے کو یوں تو اوّلیت ملنی ہی چاہیے لیکن کسی سبب سے اس جانب توجہ بہت ہی کم دی گئی ہے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ ان کتابوں کا ترجمہ جب بھی ہوگا، ان کی اہمیت وافادیت مسلّم ہوگی۔

●

نعتِ رسولِ خدا / ڈاکٹر محمد علی اثر

صفحات 24، قیمت درج نہیں

ناشر: نشاط پبلشرز، 20-4-226/9، محبوب چوک، حیدر آباد-500002

'نعت رسولِ خدا' ڈاکٹر محمد علی اثر کی 92 اشعار پر مشتمل ایک طویل نعت ہے جس میں انھوں نے پیارے نبی حضرت محمدؐ کی بارگاہ میں گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ ردیف "درود تم پر، سلام تم پر" کی تکرار اس نعت کی اثر انگیزی میں اور اضافہ کرتی ہے۔

□□□

جے پرکاش بھارتی

"چلو چاند پر چلیں" سے اقتباس

چندا ماما دُور کے

چھایا نے ریڈیو پر ایک گانا سُنا۔

چندا ماما دُور کے
بڑے پکائے بور کے
آپ کھائیں تھالی میں
مُنّے کو دیں پیالی میں

وہ سوچنے لگی۔ "دادا جی نے تو بتایا تھا کہ چندا ماما پاس ہیں۔

اور گانے میں انھیں دُور کے، کہا جا رہا ہے۔ وہ دوڑی ہوئی راکیش کے پاس گئی۔ اپنی الجھن اُس نے راکیش کو بتائی۔

راکیش بولا۔ "تم بات کو پوری طرح سمجھی نہیں۔ چاند پاس ہو کر بھی کافی دُور ہے۔ چلو دادا جی پوری طرح سمجھا دیں گے۔"

دونوں نے اپنی بات دادا جی کے سامنے رکھی۔

دادا جی بولے۔ "جو کسی بڑے گولے کے گرد گردش کرتا ہے اُسے ہم تابع سیارہ کہتے ہیں۔ سارے سیارے سورج کے تابع سیارے ہیں۔ چاند ہماری زمین کا تابع سیارہ ہے۔ سبھی سیارے ہماری زمین سے کروڑوں میل کے فاصلے پر ہیں۔ لیکن چاند کچھ لاکھ میل کے ہی فاصلے پر ہے۔ یہ فاصلہ تقریباً دو لاکھ انتالیس ہزار میل کا ہے۔ اگر ہم کسی دوسرے سیارے پر سے زمین کو دیکھ سکیں تو—ایسا لگے گا کہ چاند اور زمین پاس پاس کے دو سیارے ہیں۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ چاند ہمارا پڑوسی ہے۔

رَچنا بھی وہاں آگئی تھی۔ بیچ میں بول پڑی۔ "چاند میں بُڑھیا بیٹھی چرخہ کاتتی ہے۔ دادا جی۔"

دادا جی ہنسے۔ اور بولے۔ "یہ تو پُرانے لوگ کہا کرتے تھے۔ گیلیلیو کا نام تو تم نے سُنا ہی ہوگا۔ اُسی نے اپنی دور بین سے سب سے پہلے چاند کا معائنہ کیا۔ یہ تقریباً ساڑھے تین سو سال پہلے کی بات ہے۔

اُس نے بتایا کہ چاند سپاٹ اور چمک دار طشتری جیسا نہیں ہے۔ وہ گول ہے۔ اُس کی سطح پر میدان ہیں۔ اونچے اونچے پہاڑ ہیں اور گڑھے ہیں۔ سطح پر لمبی دراڑیں بھی ہیں۔ گیلیلیو کی دور بین آج کی دور بینوں کی طرح عمدہ نہیں تھی۔ اُس نے چاند کے میدانوں کو سمندر سمجھ لیا تھا۔ آج تک انھیں سمندر ہی کہا جاتا ہے، حالانکہ ان میں پانی نہیں ہے۔

گیلیلیو نے چاند کا ایک نقشہ بھی تیار کیا تھا۔ آج جب کہ چاند کے بارے میں ہمیں کافی معلومات حاصل ہو چکی ہیں، اُس کے بہت سے فوٹو بھی کھینچ لیے گئے ہیں۔ تب بھی گیلیلیو کا نقشہ بہت کچھ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

چاند میں کوئی بُڑھیا چرخہ نہیں کات رہی ہے۔ دُور سے دیکھنے پر چاند کی سطح کے آدھے سے زیادہ حصّے میں کالے دھبّے دکھائی

● اس کتاب میں بے حد دلچسپ انداز میں چار کرداروں کی مدد سے چاند سے متعلق جدید معلومات پیش کی گئی ہیں، بچوں کے لیے یہ کتاب بے حد معلوماتی ہے اور کھیل کھیل میں انھیں بہت سی جانکاریاں فراہم کرتی ہے۔

دیتے ہیں، انھیں کوئی بڑھیا کہہ دیتا ہے، کوئی خرگوش اور کوئی کچھ اور۔ اصل میں یہ لمبے چوڑے میدان ہیں جو دھول کنکر اور پتھر سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ دُور دُور تک چٹانیں پھیلی ہیں۔"

چھایا بولی۔ "دادا جی، آپ تو اس طرح سب کچھ بتا رہے ہیں جیسے چاند پر گھوم آئے ہوں۔"

دادا جی سر کھجاتے ہوئے بولے۔ "میں تو چاند پر نہیں گیا، لیکن آدمی کئی بار چاند پر چہل قدمی کر آئے ہیں۔ پہلے تو اس طرح کی کہانیاں لوگوں نے گھڑلیں جن میں آدمی کو چاند کا سفر کرتے ہوئے دکھایا تھا۔"

کہانیاں سننے سنانے کا شوق تو سب سے زیادہ رچنا کو ہے۔ اُس نے ایسی کہانی سنانے کو کہا۔ دادا جی بھلا کیسے منع کرتے۔

دادا جی بولے۔ "رامائن تو تم نے پڑھی ہی ہے۔ اس میں ایک ایسی ہی کہانی آتی ہے۔ سنپاتی اور جٹایو نے سورج کی طرف اُڑان بھری تھی۔ سورج بہت گرم ہے۔ اس کی گرمی کے سبب جٹایو تو بیچ راستے سے لوٹ آیا۔ سنپاتی نے ہار نہیں مانی۔ وہ اونچائیوں پر اُڑتا گیا۔ لیکن بے چارا سورج تک نہیں پہنچ پایا۔ گرمی سے اس کے پَر جل گئے۔"

چھایا نے کہا۔ "یہ تو سورج کی طرف جانے کی کہانی ہے۔ بات تو چاند کی ہو رہی ہے۔"

دادا جی نے کہا۔ "انگریزی کے مشہور مصنف ایچ۔ جی۔ ویلس کے بارے میں تم نے سنا ہوگا۔ انھوں نے ایک کتاب لکھی ہے۔ 'چاند کے دیس میں پہلا آدمی'۔ دادا جی کچھ دیر خاموش رہے، پھر انھوں نے پوچھا۔ "تمھیں کششِ ثقل کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔"

راکیش بولا۔ "ہاں ہاں، کیوں نہیں، نیوٹن ایک دن باغیچے میں بیٹھے تھے۔ انھوں نے پیڑ سے ایک سیب گرتے دیکھا۔ سوچنے لگے۔ یہ سیب زمین پر ہی کیوں گرا؟ اوپر کی طرف کیوں نہیں گیا۔ تب انھوں نے بہت غور و فکر کے بعد طے کیا کہ زمین ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اسے ہی کششِ ثقل کہتے ہیں۔"

دادا جی نے راکیش کو شاباشی دی۔ پھر بولے۔ "یہ کششِ ثقل ہی انسان کی اُڑان میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ زمین کی کشش سے آزاد ہوئے بغیر چاند تک پہنچنا کیسے ہو۔ اس کے لیے ایچ۔ جی۔ ویلس نے ایک نئی بات گھڑلی۔ ویلس کی کہانی کے مسافروں کو گولے میں بیٹھ کر خلائی سفر کرنا تھا۔ تو مسافروں نے اس گولے پر ایسا لیپ چڑھا لیا جس سے زمین کی کشش کا اثر نہ ہو۔ بس۔ پھر کیا تھا، اُن کا گولہ بے وزن ہو کر اوپر اُٹھا اور وہ چاند پر جا پہنچے۔"

چھایا نے پوچھ لیا۔ "کیا کسی اور نے بھی ایسی کہانیاں لکھی ہیں۔"

دادا جی نے بتایا۔ "یوں تو چاند اور سورج پر پہنچنے کی فرضی کہانیاں بہت سے مصنفوں نے لکھی ہیں۔ ایک انگریز مصنف نے کہانی لکھی ہے۔ 'اُڑن کھٹولے پر آدمی بیٹھا، اس اُڑن کھٹولے کو ہنسوں نے اپنے پروں پر اُٹھا لیا۔ وہ اُڑان بھرتے بھرتے چاند پر پہنچ گئے۔

تبھی دادا جی کو کچھ یاد آنے لگا۔ وہ بولے "پچھلے دنوں ہی ایک فلم آئی تھی۔ "اَسّی دن میں دنیا کی سیر" تمھیں معلوم ہے کہ اس مشہور فلم کی کہانی لکھنے والے کون ہیں۔ فرانس کے باشندے، 'ژُلے ورن نے یہ کہانی لکھی تھی۔ کوئی سو سال پہلے انھوں نے ایک اور بڑا دلچسپ ناول بھی لکھا تھا۔ "زمین سے چاند تک" اس ناول میں نو سو فٹ کی ایک توپ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس توپ سے ایک ایسا گولہ داغا

جاتا ہے جس کے اندر تین آدمی اور دو کُتّے ہیں۔ یہ گولہ چاند کا ایک چکر لگاتا ہے اور پھر راکٹوں کی مدد سے زمین پر واپس آجاتا ہے۔"

راکیش بولا۔ "لیکن توپ داغنے پر تو بڑی زور کا جھٹکا لگا ہوگا۔ اس میں بیٹھے مسافر مر نہیں گئے۔"

دادا جی بولے۔ "بھئی، یہ تو کہانی ہے۔ لیکن ژولے ورن سے بھی بہت پہلے دو بھائیوں نے غباروں پر تجربے کیے تھے۔ انھوں نے غباروں میں بٹھا کر میمنوں اور مرغیوں کو فضا میں اُڑایا تھا۔ آج یہ سب باتیں بچکانہ لگتی ہیں۔ لیکن آسمان کی کھوج بین کرنے والوں کو ان سے بڑی مدد ملی ہے۔

ویسے تو رامائن کے عہد میں پُشپک ہوائی جہاز اور گرُڑ جیسے خلائی جہازوں کا ذکر بھی ہے۔ لیکن پوری انسانی تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے کہ آدمی حقیقت میں چاند پر پہنچا ہو۔ اس کا سہرا تو سب سے پہلے امریکہ کے نیل آرم اسٹرانگ اور ایڈون ایلڈرن کے سر ہے۔ ہاں اس سے بہت پہلے بھی وہاں کے ہزاروں فوٹو ضرور کھینچے گئے تھے۔"

چھایا نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ "واہ دادا جی، جب تک وہاں کوئی گیا ہی نہیں تھا، تب فوٹو کیسے کھینچے گئے۔"

دادا جی بولے۔ "تم نے ایسے کیمرے تو دیکھے ہوں گے جو اپنے آپ فوٹو کھینچ لیتے ہیں۔ وہ خودکار کیمرے کہلاتے ہیں۔ چاند پر آدمی کے پہنچنے سے پہلے ہی ایسے کیمرے اور ٹیلی ویژن لگے ہوئے، بہت سے جہاز وہاں اُتارے جاچکے تھے۔ یہ جہاز راکٹوں کی مدد سے اُتارے گئے۔

پندرہ سال پہلے ایسے جہاز چاند پر بھیجنے کا سلسلہ شروع ہوا تھا، شروع میں تو جہاز چاند تک پہنچ ہی نہیں پائے، تصویر بھلا کیسے بھیجتے۔

اس طرح کا سب سے پہلا لونا۔ 2 جہاز 18/ستمبر 1959 کو چاند تک پہنچا۔ اِسے روس نے چھوڑا تھا۔ اس کے تین ہفتے کے بعد ایک اور جہاز روس نے بھیجا۔ اسی جہاز نے سب سے پہلے چاند کے اس حصّے کے فوٹو بھیجے جو دکھائی نہیں دیتا۔"

راکیش نے پوچھا۔ "امریکہ نے بھی تو چاند پر ایسے جہاز بھیجے ہوں گے۔"

دادا جی بولے۔ "روس اور امریکہ میں تو جیسے اس معاملے میں مقابلہ ہو رہا ہو۔ امریکہ نے ایسے کئی جہاز بھیجے، جنھوں نے تھوڑی ہی اونچائی سے چاند کے ہزاروں فوٹو کھینچے۔ 31/جنوری/1966 کو چاند پر لونا۔ 9 نامی روسی جہاز اُترا۔ یہ پہلا جہاز تھا۔ جو چاند پر ٹھیک طرح سے اُترا۔ زمین پر واقع اسٹیشن سے اجازت حاصل کرنے پر اس نے چاند کا معائنہ کیا۔ اور فوٹو بھیجے۔

امریکہ نے سروے پر 1 نامی جہاز چاند پر بھیجا۔ اس میں سبھی طرح کے جدید آلات تھے۔ اس نے دس ہزار سے بھی زیادہ فوٹو زمین پر بھیجے۔

چاند کے لیے کئی خلائی جہاز بھی وقتاً فوقتاً روانہ کیے گئے۔ انھوں نے بھی چاند کے بارے میں بہت سی معلومات بہم پہنچائیں اور فوٹو بھیجے۔ کھوج کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ آج تو چاند کے بارے میں جتنی معلومات ہے، اتنی زمین کے کئی حصّوں کے بارے میں بھی نہیں ہے۔ لیکن کھوج کا بہت سا کام ابھی اور ہونا ہے۔"

5/ستمبر 2002 کو قومی اردو کونسل کے کمیٹی روم میں گرانٹ ان ایڈ کمیٹی (اردو، عربی / فارسی) کی ایک مشترکہ میٹنگ منعقد ہوئی۔ اس موقعے پر (تصویر میں دائیں سے) پروفیسر ابوالکلام قاسمی، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر یامین اختر فاروقی اور ڈاکٹر شیمار ضوی۔

اسی موقعے کی دوسری تصویر میں (دائیں سے) مولانا ولی رحمانی، جناب محمد جلیل پاشا، جناب احمد سجاد، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ، جناب من موہن شرما، پروفیسر گوپی چند نارنگ، پروفیسر جگن ناتھ آزاد اور ڈاکٹر شیمار ضوی۔

RNI No. 70323/99 DL-15052 / 2002

URDU DUNIYA Monthly, November 2002, Vol. 4, Issue: 11

National Council for Promotion of Urdu Language

Department of Secondary & Higher Education, Ministry of H.R.D., Government of India, New Delhi

تاریخ فلسفۂ سیاسیات

مصنف: پروفیسر محمد مجیب

سیاسیات ان علوم میں سے ہے جو انسانی زندگی، اس کے نظام اور اس کی تدریجی نشو و نما سے بحث کرتے ہیں۔ اس کتاب میں سقراط اور افلاطون سے ہیگل اور مارکس تک تمام اہم فلسفیوں کے سیاسی نظریات اور انسانی زندگی پر ان کے اثرات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ آخر میں سیاسی اصطلاحوں کی فرہنگ بھی شامل ہے۔

تیسرا ایڈیشن، صفحات: 440، قیمت: -/97 روپے

مسلم قانون (جلد اوّل)

مصنف: جسٹس سید امیر علی / مترجم: رضا علی خاں (ریٹائرڈ ضلع جج)

اسلامی قوانین، ان کی نظری تشریحات اور ان کے عملی نفاذ کے طور طریقوں سے واقفیت بہم پہنچانے کے لیے یہ کتاب ایک معتبر ذریعہ ہے۔ اس کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے ہی نہیں ان تمام لوگوں کے لیے بھی ناگزیر ہے جو اسلامی قوانین کو جاننا، سمجھنا چاہتے ہیں۔

پہلا ایڈیشن، صفحات 762، قیمت -/265 روپے

جنت سنگار

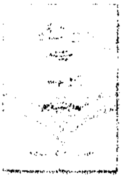

مرتبہ: پروفیسر سیدہ جعفر

گولکنڈہ اور بیجاپور کے قدیم ادبی مراکز سے وابستہ شاعر ملک خوشنود کی یہ مثنوی دکنی ادب کے قدیم شہ پاروں میں سے ایک ہے جو پہلی بار منظر عام پر آئی ہے۔ چار قدیم مخطوطوں کو سامنے رکھ کر یہ متن مرتب کیا گیا ہے۔

پہلا ایڈیشن، صفحات: 59، قیمت -/180 روپے

قومی زبان

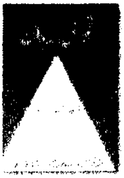

مرتب: زیڈ۔ اے۔ احمد، مترجم: معین اعجاز

آزادی سے قبل جب ہندوستان کی قومی زبان کا مسئلہ زیر بحث تھا تو اس دور کے ممتاز سیاسی قائدین، مفکرین اور سربرآوردہ ادبا اور شعرا اس بارے میں کیا رائے رکھتے تھے، یہ جاننے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ کریں۔

پہلا ایڈیشن، صفحات 253، قیمت -/76 روپے

سائنس کی تدریس

(زیر تربیت استادوں کے لیے)

مصنفین: ڈی۔ این۔ شرما، آر۔ سی۔ شرما / مترجم: غلام دستگیر

سائنس اس دور میں زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے اور یہ ہمارے لیے ایک چیلنج ہے کہ ہم اپنے درس گاہوں میں سائنس کی تعلیم و تدریس کی تنظیم نو کریں تاکہ ہم دوسری اقوام کے ہمسر ہو جائیں۔ یہ کتاب اس اہم مقصد کی تکمیل میں معاون ہوگی۔

تیسرا ایڈیشن، صفحات 431، قیمت -/80 روپے

انتظامی قانون کے اصول

مصنفین: ایم۔ پی۔ جین، ایس۔ این۔ جین / مترجم: احمد مرزا

انتظامی قانون، فلسفۂ قانون کی ایک شاخ ہے۔ انتظامیہ سے فرد کے بڑھتے ہوئے الجھنوں کی وجہ سے آج انتظامی قانون کے علم کو نصاب نہ صرف طالب علموں کے لیے بلکہ کسی بھی عام فرد کے لیے پسندیدہ ہے۔ یہ کتاب انتظامی قانون کے اصولوں کو اختصار کے ساتھ جامعیت اور وضاحت کے ساتھ پیش کرتی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات 612، قیمت -/112 روپے

تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر

مصنف: ڈاکٹر سلامت اللہ

یہ کتاب بطور خاص ان طلبہ کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے جو پہلی بار بی۔ایڈ کی سطح پر تعلیم کے مضمون کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ کتاب کا مقصد تعلیم اور سماج کے باہمی رشتوں کو واضح کرنا اور یہ دکھانا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر کس طرح اثرانداز ہوتے ہیں۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات 272، قیمت -/85 روپے

حیدر علی

مصنف: نریندر کرشن سنہا / مترجم: اقتدار حسین صدیقی

یہ کتاب اٹھارویں صدی میں جنوبی ہند میں ہونے والی سیاسی اقتدار کی جنگ کا پُر اثر جائزہ پیش کرتی ہے۔ اس کتاب میں میسور میں حیدر علی کے انقلاب، مرہٹوں، نظام اور فرانسیسیوں، ولندیزیوں اور پرتگالیوں کے ساتھ اس کے روابط پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔

دوسرا ایڈیشن، صفحات 338، قیمت -/72 روپے

Printed and Published by Dr. M. Hamidullah Bhat, Director, NCPUL on behalf of NCPUL, Printed at J.K. Offset Printers, Jama Masjid, Delhi-110006 and Published at NCPUL, West Block-I, Wing-6, R.K. Puram, New Delhi-110 066, Editor Dr. M. Hamidullah Bhat, Tel : 6103381, 6103938